جملہ حقوق محفوظ

جلد ۱۰ جنوری سنہ ۱۹۰۶ء نمبر ۴

ایڈیٹر
شیخ عبدالقادر بی اے

مخزن

اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ایک ماہوار مجموعہ

تصاویر پرنس اور پرنسس آف ویلز

مضامینِ نثر

ہماری زبان کا لٹریچر۔ خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی (فیلو الہ آباد یونیورسٹی) ۱
وکٹوریہ البرٹ میوزیم۔ حافظ محمود شیرانی (از لندن) ۱۱
دو سہ روزہ آشنائی بشناختن نیرزد۔ شیخ عبدالقادر ۲۵
خوشی۔ خواجہ لطیف احمد صاحب بی۔ اے ۳۸
خدا کی ہستی۔ لالہ جیارام ایم۔ اے پروفیسر گورنمنٹ کالج ۳۱
موسیقی۔ سید نذیر حسن بی۔ اے ۴۳
شاہوں کا گورستان خواجہ حسن نظامی (دہلوی) ۴۶

مضامینِ نظم

محبت۔ شیخ محمد اقبال ایم۔ اے (از کیمبرج) ۴۹
لوازم شاعری خان بہادر سید علی محمد شاد عظیم آبادی ۵۰
ترجمہ اینک آردن۔ سید ضامن کنتوری ۵۳
دولت عشق۔ ستار طاہر بجاری ۵۵
یاد حبیب۔ بدر الدین قیصری ۵۷
مگس۔ مولوی محمد عبدالرحمن شاطر مدراسی ۵۸
دوسری منزل۔ منشی صادق علی خاں صادق اکبر ۵۹
محبت کے دریا کی لہریں۔ منشی جنیشر پرشاد مائل دہلوی ۶۰
مفلسی۔ سید عبدالحسین ۶۲۔ تازہ غزلیں ۶۳

نو کروڑ ہندوستانی اردو بولتے ہیں۔ اور اسی قدر اور ہندوستانی اردو سمجھتے ہیں۔

○ ان شہروں میں اردو مادری زبان ہے۔ □ ان شہروں میں اردو مروج ہے۔ ⊕ ان شہروں میں اردو سمجھی جاتی ہے۔

شیخ محمد اکرام اسسٹنٹ ایڈیٹر
نے خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں چھپوا کر شائع کیا

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک قسم اول ۵ روپے فی پرچہ ۸ ؍ قسم دوم (عا) فی پرچہ ۳ ؍

سونے کا انڈا دینے والی مرغی

موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دو

ہمارے پاس ایک مُرغی ہے۔ جو تمہارے گھر جاکر ہر روز ایک سونے کا انڈا دیگی۔ یہ تمہارے گھر آنا چاہتی ہے۔ لیکن یاد رکھو اگر تم غفلت کروگے۔ تو یقیناً تمہارے گھر کی بجائے یہ تمہارے ہمسایہ کے گھر چلی جائیگی۔ اور وہاں جاکر سونیکا انڈا دیگی۔ یہ موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دو۔ اس موقعہ سے مراد

بیس بیماریوں کی ایک دوا ہے

یہ دوائی مفصلہ ذیل بیماریوں کا شرطیہ علاج ہے

گنٹھیا (۲) ہیضہ (۳) دست (۴) پیچش (۵) کھانسی (۶) زکام (۷) جگر کی بیماریں (۸) قولنج (بادسول) (۹) وجع العصب (۱۰) دمہ (۱۱) سرخ باد (۱۲) دوائی بدہضمی (۱۳) سُرئ (۱۴) سوزش حلق (۱۵) نزلہ (۱۶) خسرہ (۱۷) درد دندان (۱۸) تشنج (۱۹) دردسر (۲۰) زخم (۲۱) موچ (۲۲) بخار (۲۳) جھجان (۲۴) گلے کی بیماری (۲۵) موسمی بخار (۲۶) گرانی شکم (۲۷) پشت کا درد (۲۸) موسمی دانے پھنسیاں (۲۹) باری کا بخار (۳۰) کالی کھانسی (۳۱) درد کمر (۳۲) نقرس (۳۳) چوتھیہ کا بخار (۳۴) بچھو (۳۵) بھڑ (۳۶) شہد کی مکھی (۳۷) کن کھجورا (۳۸) سانپ اور سب قسم کے زہریلے کیڑوں اور جانوروں کے ڈنگ اور زخم (۳۹) سوزش دل (۴۰) چوٹ چپیٹ (۴۱) درد پسلی (۴۲) اندرونی درد (۴۳) درد معدہ (۴۴) پیٹ درد (۴۵) ہاتھ پاؤں کا پھوٹنا۔ یہ اندرونی و بیرونی دونوں طرح پر استعمال کیجاتی ہے۔ جو شخص اس عجیب و غریب دوائی کو ہر قسم کے درد یا بیماری میں استعمال کرنے کیلئے ہمیشہ گھر میں موجود رکھتا ہے۔ وہ سینکڑوں روپیہ بچا لیتا ہے۔ جو کہ اسکو دوسری حالت میں ڈاکٹر یا حکیم کے نذر کرنے پڑتے۔ **قیمت ایک روپیہ (عہ)**

دردوں کا علاج

یہ دوائی ہر قسم کے درد کو خواہ سر میں ہو یا دانت میں یا جسم کے کسی اور حصہ میں ہو۔ صرف بیرونی طور پر لگانے سے فوراً رفع کرتی ہے۔ یہ ایسی مؤثر دوائی ہے۔ کہ جو درد اس دوائی کے لگانے سے رفع نہ ہوگا دُنیا کی کوئی دوائی اُسے اچھا نہ کریگی۔ مدت کا درد بھی اچھا ہوگا۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

زکام کا علاج

یہ زکام۔ سردرد۔ آدھے سر کا درد۔ وجع العصب کا نہایت عجیب برقی علاج ہے۔ صرف سونگھنے سے یہ فوراً اور یقینی طور پر اپنا اثر کرتا ہے اور مستقل طور پر مریض کو شفا دیتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)

المشتہر مدن گوپال اینڈ کمپنی لاہور

H. R. H. THE PRINCE OF WALES.

ایچ - آر - ایچ - پرنس آف ویلس

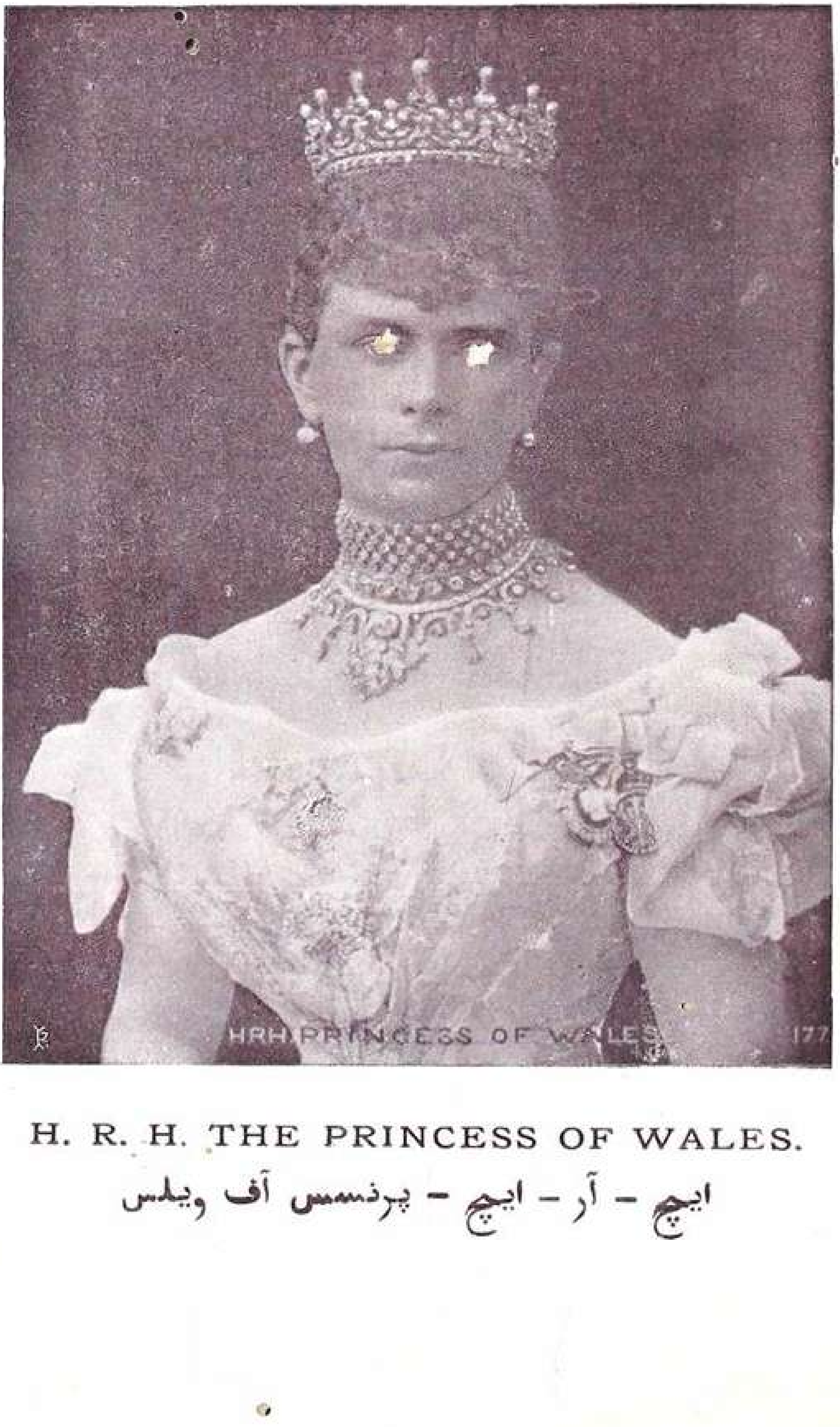

H. R. H. THE PRINCESS OF WALES.

ایچ – آر – ایچ – پرنسس آف ویلس

مخزن

ہماری زبان کا لٹریچر

(۲)

اِن تینوں مذہبی علم ادب کا زہریلا حصّہ :- اِن تینوں مذہبی علم ادب کا وہ حصّہ جو احکام مذہبی کی طرف رہنمائی اور ہدایت کرتا ہے وہ اہلِ مذہب کو نہایت عزیز ہے اور اس کے حق میں مفید اور سود مند ہے مگر ان کا وہ حصّہ بڑا زہریلا ہے جس میں مخالفانہ و حاسدانہ مذہبی مباحثے و مجادلے ہیں خواہ وہ ایک مذہب کے دوسرے مذہب کے ساتھ ہوں یا ایک ہی مذہب کے فرقوں میں باہمی ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان آپس میں عداوت رکھنے اور نفرت کرنے کے لئے کافی مذہب رکھتا ہے مگر انکے پاس آپس میں محبّت کرنے کے لئے کافی مذہب نہیں ہے ہر مذہبی متعصّب یک چشم ہوتا ہے۔ اپنے مذہب کی خوبیوں اور نیکیوں کے دیکھنے کے لئے ایک آنکھ رکھتا ہے مگر اس کی دُوسری آنکھ غیر مذہبوں کی نیکیوں کے دیکھنے میں پھُوٹی ہوتی ہے ایک بات کو جو اپنے مذہب میں ہو عُلوی اور الٰہی کہتا ہے اور اُسی بات کو جو دُوسرے مذہب میں ہو سفلی و شیطانی بتاتا ہے۔ اب تک یہ تحقیق نہیں ہُوا اور نہ ہوگا کہ دنیا میں کونسا ایک مذہب برحق ہے۔ یُوں ہر مذہب والے اپنے مذہب کو برحق جانتے ہیں اور اس کے سوا اَور مذہبوں کو باطل سمجھتے ہیں۔ ؎

کوئی ہے کافر کوئی مسلماں جُدا ہر اک کی ہے راہ ایماں

جو اُس کے نزدیک راہبری ہے وہ اِس کے نزدیک رہزنی ہے

اگر دُنیا میں سو مذہب فرض کیے جائیں تو ہر مذہب کے بُطلان پر ننانوے مذہب گواہی دینگے صرف ایک مذہب اس کی صداقت پر شہادت دیگا - جب یہ صُورت ہے تو مشکل ہے کہ کوئی ایک مذہب سچا ثابت ہو - مگر یہ ایک رسم دُنیا میں ہوگئی ہے کہ اکثر ہر آدمی اپنے آبائی مذہب کو سچ جانتا ہے اور مذہب الٰہی کی تحقیقات کا خیال تک بھی اسکو نہیں آتا - غرض ایک مذہب اپنے نزدیک دُوسرے مذہب کے باطل ثابت کرنے میں اپنی دلائل کو مستحکم جانتا ہے وہ اس بات کو ذرا نہیں سمجھتا کہ جس طرح ایک مذہب حق یا باطل ثابت ہوتا ہے اِسی طرح دُوسرا ایک مذہب کا مُنھہ نہیں کہ دُوسرے مذہب پر مُنھہ آسکے - ان مذہبی مباحثوں میں اکثر دلائل الزامی مستعمل ہوتی ہیں جو کسی بات کو ثابت نہیں کرتیں - اعتراضوں کے جوابوں میں اسی قسم کے اعتراض کرتے ہیں - ایک مذہب جب دوسرے مذہب میں کوئی عیب بتاتا ہے تو دوسرا مذہب پہلے مذہب میں اسی قسم کا عیب بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتا - عیب کے بدلے میں عیب بتانے سے عیب نہیں دُور ہوتا - دونوں کا معیُوب ہونا ثابت ہوتا ہے - اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر مذہب جھوٹی باتوں کا مجموعہ ہوتا ہے جس کو جھوٹ دل سے سچ جانتے ہیں تو لوگ اِس پر لعن طعن کرنے لگینگے اور یہ نہیں خیال کرینگے کہ ہم بھی اپنے مذہب کے سوا اور مذہبوں کو وہی کہہ رہے ہیں جو وُہ سب کو کہہ رہا ہے وہ ایک مذہب کے مستثنٰے نہ کرنے کا گنہگار ہے - سوا اس کے اس زمانے میں اشاعتِ مذہب کے لئے نہ معجزات ہیں نہ شمشیرِ تیز ہے - فقط یہی مباحثے ہی اشاعتِ مذہب کا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں جن میں شمشیرِ زبان دُشنام دہی اور بدکلامی و فحش بیانی سے دلوں کو مجروح کرتی ہے - اور آپس میں عداوت و نفرت پیدا کرتی ہے جس سے اخلاق میں خرابی پیدا ہوتی ہے - آپس میں ضد اور

ہٹ دھرمی بڑھتی ہے۔ بعض اوقات اس فحش کی وہ نوبت آجاتی ہے کہ وہ فوجداری کا جرم بنجاتا ہے اور سزائیں ملتی ہیں۔

(چوتھا) گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم نے جو اردو ہندی میں جدید علم اور ادب پیدا کیا ہے

گورنمنٹ نے اپنی مملکتِ ہند کے لئے جو قوانین اپنی زبان میں مرتب کئے۔ اُن کا اُردو زبان میں ترجمہ کرا کے شائع کیا۔ جس سے ہماری زبان میں ایک نیا قانونی علم ادب پیدا ہوا۔ قانون ایسا فلسفہ ہے کہ جس سے فہم میں ذکاوت و متانت پیدا ہوتی ہے اِس لئے اس کے مطالعہ سے ہماری عقل و دانش میں افزائش ہوتی ہے۔ قانون دانوں کو دیکھ لو کہ انکی تحریر و تقریر برجستہ و شائستہ و شستہ معقول و مدلّل ہوتی ہے۔ اکثر ان قوانین کی کتابوں کی اُردو زبان مایقریٰ ہے مگر تعزیرات ہند اور ہدایت نامہ مالگذاری و بندوبست کی زبان بڑی سلیس و بامحاورہ ہے۔

گورنمنٹ کے سررشتہ تعلیم نے یہ کارنمایاں کیا ہے کہ یورپ میں جو مہذّب و شائستہ قوموں کا علم ادب ہے اس کے ایک قلیل حصّہ کو اُردو ہندی زبانوں میں ترجمہ کیا ہے اور بہت سی کتابیں ایسی تالیف و تصنیف کی ہیں کہ ان میں وہ مغربی خیالات ہیں جو انسان کو مہذّب و شائستہ بناتے ہیں اور علم جس کو علم کہنا چاہیے سکھاتے ہیں۔ مغربی خیالات کا ہندوستانی زبان میں لکھنا ایسا آسان نہیں جیسا کہ مشرقی خیالات کا۔ مشرقی انشاء پردازی کے لئے پہلے ہی سے اس کے نمونے بے شمار موجود ہیں۔ اُن کو دیکھ کر اُن کی نقل اُتارنی آسان ہے۔ مگر مغربی خیالات کی انشاء پردازی کے پہلے نمونے موجود نہیں۔ ایک ایک خیال کے بیان کرنے میں خونِ جگر کھانا پڑتا ہے۔ ایک ایک لفظ و اصطلاح کی ترجمانی کے لئے گھنٹوں سوچنا پڑتا ہے۔ پھر بھی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوتی۔ اِس لئے مغربی خیالات کے بیان

کرنے کی زبان مشرقی خیالات کی انشاء پردازی کی زبان کے برابر بلاغت و فصاحت نہیں رکھتی۔ مگر وہ مشرقی انشاء پردازی کے خیالات کی پستی و فضولی و مُبالغہ آمیزی سے جاتی ہے۔ مشرقی خیالات کی انشاء پردازی میں الفاظ کے زیور ایسے بھاری ہوتے ہیں کہ جن سے معانی دبے جاتے ہیں۔ اُن کا حال بعینہٖ ایسا ہوتا ہے جیسا عورتوں کے ناک کان کا بھاری زیوروں کے پہننے سے کہ وہ سُوجتے ہیں پکتے ہیں۔ ہندوستانیوں میں جب تک وُہ مہذّب و شائستہ نہ ہوں مغربی خیالات کا مذاق نہیں پیدا ہو سکتا۔ مشرقی زبانوں کے جاننے والے اپنے مشرقی خیالات کے دلدادہ و شیدا اور فریفتہ و دلدادہ ہیں۔ وہ مغربی خیالات کی ایک کتاب کو پسند نہیں کرتے اس کا استہزا کرتے ہیں۔ سررشتۂ تعلیم کی کسی کتاب کو مَیں نے نہیں دیکھا کہ جس کی وُہ تحقیر و تذلیل و تفضیح نہ کرتے ہوں۔ وہ اس سررشتۂ تعلیم کی کتابوں کو سمجھتے بھی نہیں۔ اور مطالعہ کر کے سمجھنے کا قصد بھی نہیں کرتے۔ گو سررشتۂ تعلیم نے بعض اخلاق کی کتابیں ایسی تصنیف و تالیف کی ہیں کہ اُن میں گلستاں کی سی اخلاق کی باتیں موجود تھیں مگر باب پنجم گلستاں کا نہیں تھا۔ وُہ ہندوستان میں مقبول و مرغوب گلستان کی برابر نہیں ہوئیں اور نہ ہونگی۔ سررشتۂ تعلیم نے تواریخ و فلسفے و پولیٹکل اکونومی (سیاستِ مدن) اور اصولِ قوانین و تذکروں و قصص کی بہت سی کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں۔ ان کو سررشتۂ تعلیم اپنی مرضی سے مدارس میں درس میں جاری کر دیتا ہے مگر کوئی مشرقی زبان دان ان کا مطالعہ نہیں کرتا نہ اُس کے سمجھنے کی لیاقت رکھتا ہے۔

غرض جو مشرقی علم ادب سے واقفیت رکھتے ہیں وہ تو اس مغربی علم ادب کے نمونے کی کتابوں کو پسند نہیں کرتے بلکہ نفرت کرتے ہیں مگر وُہ لوگ جو کثرت سے ایسے ہیں کہ ان کے گھر میں پہلے سے کوئی علم نہ تھا اور اُن کو سررشتۂ تعلیم ہی نے اپنی کتابوں کے ذریعہ سے علم سکھایا وُہ مشرقی خیالات کی کتابوں سے نفرت رکھتے ہیں وہ اُن کی سمجھ

میں نہیں آتیں اور نہ اُنکا مذاق رکھتے ہیں۔ یہی سررشتۂ تعلیم کا علم ادب ہندوستان کو مہذب و شائستہ بنائیگا اور مشرقی علم ادب کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ لے لیگا اور اخیر کو مٹا دیگا۔ اگر یہ سررشتۂ تعلیم کا علم ادب نہ پیدا ہوا ہوتا تو مشرقی علم ادب متنزل نہ ہوتا۔

(پانچواں) اخباروں اور رسالوں کا علم ادب اُردو ہندی میں

ہماری زبان میں اخباروں اور موقت رسالوں نے علم ادب کی ایک نئی شاخ لگائی ہے۔ اس میں مہذّب ملکوں کے اخباروں اور رسالوں کے بعض عُمدہ مضامین ترجمہ ہو کر لکھے جاتے ہیں۔ جن کی زبان مطلب خیز ہوتی ہے۔ بعض ذکی زیرک تعلیم یافتہ خود بھی ایسے مضامین اپنی زبان میں لکھتے ہیں کہ جو انگریزی آرٹکلوں اور جواب مضمونوں (ایسے) سے کم نہیں ہوتے۔ اگر ان اخباروں اور رسالوں میں سے یہ مضامین منتخب ہو کر ایک مجموعہ بنایا جائے تو وہ ہماری زبان میں علم ادب کا سرتاج ہو۔ مگر جہاں گل ہے وہاں خار بھی ہے اِن اخباروں میں خصوصاً بیہودہ لغو لچر فحش مضامین بھی چھاپے جاتے ہیں۔ آپس میں تُو تُو مَیں مَیں اور بیجا مدح وذم۔ امراء و شرفاء و رؤسا پر لعن طعن۔ گورنمنٹ کی ناسزا عیب جوئی و بدگوئی ہوتی ہے۔ ؎

کب وہ بھلا گذرتے ہیں لاف و گزاف سے
جنکی کہ آشنا ہے زباں لام کاف سے

اپنی خودستائی اپنے معاصرین کی ہجو پیرائی پر فخر و ناز ہوتا ہے۔ اپنے مخالفوں کی دل آزاری داخلِ ثواب سمجھی جاتی ہے۔ بعض اخبار تجارتی اصُول پر نکلتے ہیں۔ ان میں اشتہاروں کے طومار کے طومار ہوتے ہیں۔ اشتہاروں کا لکھنا انشاپردازی کی ایک فرع ہے جس کو ہم بہت کم جانتے ہیں اِس لئے ان میں مبالغہ اور دروغ اتنا ہوتا ہے کہ وہ پایۂ اعتبار

سے ساقط سمجھے جاتے ہیں۔ دواؤں کے اشتہاروں میں بعض دفعہ فحش ایسا ہوتا ہے کہ مشتہر مجرم ہو تو سزا پاتا ہے۔

پنچ کے عنوان کے نیچے اکثر مضامین ایسے لکھے جاتے ہیں جن کی زبان لُچوں و قحباؤں کی پھکڑ اور شہدوں کی ضلع جگت ہوتی ہے مگر بعض مضامین میں دلچسپ ظرافت و لطافت دلربا شوخی انگریزی پنچ کی سی ہوتی ہے۔ ان میں تصویریں بھی ہوتی ہیں جو اصل سے ایسی غیر مشابہ ہوتی ہیں جیسی کہ کوئی مصوّر مینڈک کی تصویر بنا کر اس پر لکھ دے کہ یہ اڈیٹر صاحب کی تصویر ہے۔ بعض ذہین و طبّاع اڈیٹر اس میں اپنا وقت بہت صرف کرتے ہیں۔ اُنکا اصل مطلب بھانڈوں کی طرح لوگوں کو ہنسانے اور اپنے روپے کمانے سے ہوتا ہے۔ پنچ کی انشا پردازی مسخرگی میں داخل ہے۔ علم ادب کی وہی وقعت فرع نہیں ہے۔ انسان بالطبع بعض اوقات مسخرے پن کے مہمل مضامین سے دل بہلانا چاہتا ہے سو وہ پنچوں میں ایسے مضامین کو پڑھکر اپنا دل خوش کر سکتا ہے۔ اس قسم کی انشا پردازی میں ناموری و عام پسندی حاصل کر کے نام پیدا کرتا ہے۔

چند اخبار اور رسالے ایسے بھی نکلتے ہیں کہ اُن میں مستورات کی مضمون نگاری بھی ہوتی ہے جن کی زبان .... سلاست و شیرینی میں مرد مضمون نگاروں کی زبان کو مات کرتی ہے۔ اور مضامین اور خیالات بھی عورتوں کے حسبِ حال خوب موزون ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان اخباروں اور موقت رسالوں میں علم ادب کا ایک حصّہ مفید اور دوسرا حصّہ مضر ہوتا ہے۔ اگر یہ دونو میزانِ عدل میں تولے جائیں تو معلوم نہیں کہ کونسا پلڑا بھاری رہے۔

(چھٹا) ہمارے شاعروں اور مشرقی خیالات کے انشا پردازوں کا علم ادب اُردو و ہندی بھاشا میں

ہماری زبان کے شاعروں کا بڑا گروہ ہے۔ پہلے اس کے دو فرقے اہلِ دہلی اور اہلِ لکھنو

تھے ۔ اب دونو بہت سے زمروں میں منقسم ہو گئے ہیں ۔ ان میں سے ہر یک کو اپنی زباندانی پر لاثانی ہونے کا دعویٰ ہے ۔ ہر زمرہ نے اپنی خود مختاری سے چند قواعد صحیح و غلط ٹھہرا رکھے ہیں اور کچھ لفظی محاورے بھی گھڑ لیئے ہیں ۔ اسی کو معیارِ سخن وہ سمجھتا ہے اور زمروں کے کلام کو اس معیار پر کس کر کھوٹے کھرے کا فیصلہ کرتا ہے اور زمرے اس معیار کو کاسد بتاتے ہیں کہ جو کھوٹے کو کھرا اور کھرے کو کھوٹا پرکھتا ہے ۔ ہر زمرہ اپنے اساتذہ کو قلمروِ سخن کا شہنشاہ جانتا ہے جو اس کی اطاعت نہیں کرتا اسکو وہ باغی گردن زدنی سمجھتا ہے ۔ غرض ہر یک زمرہ انانیت میں فرعونی دعویٰ رکھتا ہے ۔ اس قسم کے اشعار اپنے ایامِ طفلی سے سنتے چلے آتے ہیں اور اسی طرز میں خود سخن سنج ہوتے ہیں اسی کو شاعری جانتے ہیں باقی سب کو ہیچ پوچ ۔ اور زمروں کے اساتذہ کی خردہ گیری کرتا ہے اور بیجا انکی بدگوئی کرتا ہے ۔ ہر یک زمرہ اپنے اساتذہ کو خدائے سخن سمجھتا ہے جو اُس کو نہیں مانتا اسکو مشرک کافر جانتا ہے ۔ ہر یک اپنے منہ سے میاں مٹھو بننے میں شرم نہیں کرتا ۔ پھر تماشا یہ ہے کہ ان زمروں کا علم عروض و قوافی علم معانی و بیان ۔ علم صرف و نحو ۔ غزل و قصیدہ کی اور اور اصنافِ سخن کے مضامین کی طرزِ ادا واحد ہے کوئی کسی طرز کا موجد نہیں مگر ہاں غلط الفاظ و محاورات پہ کج بحثی بڑی ہے جسکا آخر کو کچھ نتیجہ نہیں ہوتا طرفین بک بک کئے جاتے ہیں چپ نہیں لگاتے ۔ غرض اس نزاعِ لفظی کے سبب اساتذۂ مسلّمہ پر لعن طعن ہوتی ہے ۔ جس سے انکی استاذی میں تو کوئی بٹا نہیں لگتا ۔ مگر بحث کرنے والوں کا تعصب و جہل مرکب کا اعلان ہوتا ہے ۔ اب دہلی اور لکھنؤ کی زبانوں کی پہلی سی وقعت نہیں رہی ۔ اب ہر شہر کو اپنی زبان دانی پر ایسا ہی دعویٰ ہے جیسے کہ پہلے اہلِ دہلی اور اہلِ لکھنؤ کو تھا ۔

شعراء اور مشرقی خیالات کے انشا پرداز اس بیان پر جو علم ادب کی تقسیم کے باب میں لکھا ہے ۔ استہزا کرینگے اور زبان مبارک سے فرمائینگے کہ یہ کیا بچر لچر ٹچر مچر لکھا ہے نہ

جس کا سر ہے نہ پاؤں ہے۔ علمِ ادب کا اطلاق تو صرف ہماری کلام پر ہوتا ہے۔ سرے سے کسی اور قسم کے کلام پر علم ادب کا اطلاق کرنا ہی غلط ہے یہ ناحق بکواس کی ہے۔

تو مَیں انکی خدمت میں عرض کرونگا کہ دُنیا کی شائستگی و تہذیب کی تاریخ ثابت کر رہی ہے۔ کہ جو مُلک نیم مہذّب و نیم وحشی ہوتے ہیں۔ اعلیٰ شاعری میں سخن سنجی اور سب علموں پر شرف و برتری رکھتی ہے اور ایک عالم کے دلوں پر اس کی تاثیر چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ وُہ خلائق کے دلوں کے تسخیر کرنے میں اعجاز نمائی کرتی ہے۔ اس نیم مہذّب زمانہ میں جو اس کا اثر ہوتا ہے وُہ مہذّب زمانہ میں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا غضب کا ہوتا تھا۔ مگر جب کسی ملک کی تہذیب و شائستگی کو بڑھاتا ہے تو شاعری اپنے عزّ و شان کے اَوج سے نیچے گرنی شروع ہوتی ہے۔ مہذّب ملکوں اور قوموں میں شاعری کسی بڑی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔ مہذّب دُنیا میں ہمارا مُلک نیم مہذّب شمار ہوتا ہے اِس لئے اب تک اس میں شاعری کی قدر و منزلت باقی ہے۔ مگر اب مغربی خیالات کے نُور نے تہذیب و شائستگی کی روشنی پھیلانی شروع کی ہے۔ اِس لئے شاعری پر تاریکی آتی جائیگی۔ اِس لئے مَیں نے لٹریچر کا بیان اس طرح کیا ہے کہ مشرقی خیالات کے شاعر و نثر پرداز جو اپنے علم ادب کے سوا دُنیا کے علم ادب کو معدوم سمجھتے ہیں اور اپنی بڑی لن ترانیاں مارتے ہیں وہ اس کے بحرِ ذخار کو دیکھ کر کُنوئے کی مینڈکی اور گوبر کے کیڑے بنے ہیں۔ ایک عجیب قلیل زُمرہ شُعراء کا بیان کرتا ہُوں۔ یہ قاعدہ مشہور ہو رہا ہے کہ جو طُلباً انگریزی میں تحصیلِ علم کرتے ہیں اُن کا انگریزی زبان میں ذی استعداد ہونا ایک مُشتبہ امر ہے۔ مگر اُن کی اپنی مادری زبان کا بگڑ جانا ایک یقینی امر ہے۔ اِس لئے اُن کی اُردو کا نام سڑدو یعنی سڑی ہُوئی اُردو رکھا گیا ہے۔ مگر کوئی قاعدہ جب تک ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی مستثنےٰ مثالیں نہ ہوں۔ سو اس قاعدہ کی مستثنےٰ مثالیں چند جوان یونیورسٹیوں کے گریجوایٹ ہیں جو اپنی مادری زبان میں شعر کہنا اور نثر لکھنی جانتے ہیں۔ ان نوجوانوں کی.

قابلیت و استعداد قابلِ تعریف ہی کہ وُہ انگریزی علمِ ادب بھی جانتے ہیں اور اس کے ساتھ انکو اپنی زبان میں نظم و نثر لکھنی بھی آتی ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وُہ اپنی قابلیت پر دُور بین لگا کے دیکھتے ہیں اگر وُہ مکھی کے برابر ہو تو بھینسے کے برابر اُنکو نظر آتی ہے۔ اُنکو اپنی قابلیت اور لیاقت پر یہ نخوت ہے کہ وُہ ان بزرگوں کو جن کی ساری عمر اپنی زبان کی تصنیف و تالیف و تحقیق میں گذری ہے۔ تقویم پارینہ جانتے ہیں اور اس مثل کے مصداق بنتے ہیں کہ تھوڑا علم خطرناک ہوتا ہے۔ وُہ خوب سمجھ لیں کہ خواہ وُہ اپنے تئیں کیسا ہی عالم فاضل قابل سمجھیں مگر ان بزرگوں کے سامنے طفلِ مکتب ہیں۔ ابھی تک علمِ ادب پر اُنکی نظر وسیع نہیں ہے۔ اُن کی ساری عمر ان بزرگوں کے مطالعہ کی عمر کے بھی برابر نہیں۔ یہ بزرگ اُن سے ذہانت و ذکاوت میں کچھ کم نہیں۔ اُنہوں نے اپنا سارا وقت اپنی زبان کی رازدانی و نکتہ سنجی میں صرف کیا ہے کچھ بھاڑ نہیں جھونکا کہ تم اپنے تئیں اُن سے بہتر سمجھنے لگے۔ ایک قالب معیّن میں الفاظ کا ڈھال کر شعر موزون کر لیا طبیعت کی موزونی پر دلالت کرتا ہے مگر یہ قافیہ باقی تم کو زباندانی کی معراج پر نہیں پہنچاتی اور اساتذہ کامل کی انجمن میں جگہ نہیں دیتی۔ یہ بکمال افسوس کی بات ہے کہ وہ اپنی علمی توقیر کی توفیر کے لئے ان اساتذہ کامل کی تحقیر کرتے ہیں کہ جنہوں نے اپنی ساری عُمر اپنی زباندانی کی تحصیل میں صرف کی ہے۔ جب کہ سب طرح سے اُنکا کلام شُستہ سمجھا جاتا ہے۔ ؎

اچھوں کو بُرا جو کہے بیشک وُہ بُرا ہے ہوویگی بُروں کی نہ کبھی اچھوں میں توقیر
تُجھ سا نہ بُرا ہوویگا آفاق میں کوئی اچھوں سے جو اچھے ہیں تو اُنکی کرے تحقیر

کوئی مونس کے کلام کی نسبت اپنی اُردو لٹریچر کی کم استعدادی کے سبب سے کہتا ہے کہ اس کے کلام میں جتنی زبان کی غلطیاں ہیں اتنی اس کے کسی معاصر کے کلام میں نہیں ہیں ؎

کیسی ہی بنایا کرے باتیں کوئی ناداں دانا ؤں میں ہوگی نہ سخن اس کے کو توقیر

وُہ جو اساتذہ کے کلام کی تنقید میں نکتہ چینی و عیب گیری کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکی طبیعت سلیم و مذاق صحیح نہیں ہے۔ انکی خردہ گیری خود انکی کوتاہ خردی پر دلالت کرتی ہے۔ اس تنقید میں وُہ انگریزی زبان کے قاعدوں کا تتبع کرتے ہیں مگر تنقید کے معنے تمام خوبیوں سے چشم پوشی کر کے صرف نکتہ چینی اور عیب گیری کے لیتے ہیں۔ اگر وہ اپنے اس شیوۂ ناستودہ کو چھوڑ کر اپنی زبان میں مغربی خیالات کا علم ادب تصنیف و تالیف کریں تو اپنے ملک پر بڑا احسان کریں اور اپنی زبان کو ترقی دیں ان میں ایسی استعداد ہے کہ اگر وُہ اس طرف متوجہ ہوں تو نہایت عمدہ کتابیں لکھیں چنانچہ بعض نے اس کا نمونہ اپنے ترجموں اور تصنیف و تالیف سے دکھایا ہے۔ اُن ہی سے ایسی توقع ہو سکتی ہے کہ وُہ مغربی خیالات سے اپنی زبان کے علم ادب کو معمور کر دیں۔ وہ جو بعیب دگراں نگراں رہنے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اگر وُہ اسکو اپنے ہنر و کمال کے پیدا کرنے میں صرف کریں تو وُہ اپنے ملک کے لئے فخر سمجھے جائیں

مخزن کی گذشتہ جلدیں از اپریل ۱۹۰۲ء لغایت ستمبر ۱۹۰۵ء بڑی کوشش سے بہم پہنچائی گئی ہیں۔ جن اصحاب کو فائل رکھنا منظور ہو جلد طلب فرمالیں۔ کیونکہ پھر یہ دستیاب نہ ہو سکینگی۔ جلدیں نہایت خوبصورت اور بڑے اہتمام سے تیار ہوئی ہیں۔ اور ہر جلد کی پشت پر لفظِ مخزن اور نمبرِ جلد خوشنما سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ ہر جلد میں چھ ماہ کے پرچے جمع ہیں۔

قیمت علاوہ محصول ڈاک
جلد قسم اول ۶
قسم دوم ۸

مینیجر

وکٹوریہ البرٹ میوزیم

لنڈن کا وکٹوریہ البرٹ میوزیم بارہ ایکڑ زمین پر واقع ہے۔ یہ عمارت اوّلاً ۱۸۵۰ء کی نمائش کے لئے تیار ہوئی تھی۔ جس پر دولتِ برطانیہ نے ساٹھ ہزار پونڈ یعنے نو لاکھ روپے صرف کئے۔ ۱۸۵۵ء میں اس پر ایک اور چوبی اور آہنی عمارت مستزاد ہوئی۔ ۱۸۵۷ء میں اس کا نام سوتھ کینسنگٹن میوزیم رکھا گیا۔ ۱۸۹۹ء میں اس عمارت میں اور اصلاح ہوئی۔ اور اس اصلاح شدہ عمارت کا نام تاجدار بیوی اور بے تاج شوہر کی یادگار میں وکٹوریہ البرٹ میوزیم رکھا گیا۔

اس عمارت میں قدیم و جدید فنون اور علوم کا ایک بیش بہا ذخیرہ موجود ہے۔ جو دنیا کی ممتاز قوموں کا تمدن اور تمدن کی ترقی کی تاریخ ظاہر کر رہا ہے۔ مشرقی اقوام کا تمدن ایک علیحدہ عمارت میں دکھایا گیا ہے۔ جہاں ہندی۔ ایرانی۔ شامی۔ عربی۔ ترکی چینی اور جاپانی صنائع کے علیحدہ علیحدہ کمرے موجود ہیں۔ اس عمارت کے قریباً تئیس کمرے ہندوستان کی صنعت و حرفت سے پُر ہیں۔ باقی کمرے ممالک متذکرہ بالا کی مصنوعات سے تعلق رکھتے ہیں۔

میں اس وقت میوزیم کے دوسرے حصوں سے بحث نہیں کرتا۔ صرف اسی حصّہ عمارت کی بابت گفتگو کرتا ہوں جس سے ہندوستان کو تعلق ہے۔

میوزیم کے اس حصّے کی ابتدا ایسٹ انڈیا کمپنی سے علاقہ رکھتی ہے۔ کمپنی کی وفات پر اس کا ورثہ انڈیا آفس کو پہنچا۔ جس میں انڈین میوزیم بھی شامل تھا۔ ۱۸۸۰ء میں یہ میوزیم سوتھ کینسنگٹن میوزیم میں ملحق کر دیا گیا۔ اس عمارت کے دروازے پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ "انڈین سیکشن" غیر قوم اُن سے متاثر ہو یا نہ ہو لیکن ہندوستانی کو یہ الفاظ مغموم یا مغرور ضرور

کرینگے۔ دروازے پر ایک گورا کالی وردی میں ٹہلتا نظر آویگا۔ اگر آپ پگڑی باندھے ہُوئے ہیں تو "انڈین پرنس" سمجھ کر سلامی دیگا اور آپ کے لئے راستہ چھوڑ دیگا۔ دروازے میں گھُستے ہی ابجے پور کے ہوا محل نظر آئینگے۔ جن کی نقل ہمیتل میں ہے۔ اب آپ ایک چوبی چھت دیکھینگے جو کوچین کے کسی مندر کی ہے اور ساتھ ہی راجہ رامچندر جی کی شادی کا مرقع پیش کر رہی ہے۔

آگے چلکر ایک چوبیں برآمدہ ہے جس میں دو دروازے جھانکتے ہیں۔ دروازوں کے دو جھروکے ہیں۔ لکڑی پر کام بھدا ہے۔ یہ حصہ عمارت شاہ سام بہادر کے محل کا ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس کی تاریخ ہیں صدی پیشتر سے متعلق ہے۔ اِس برآمدے کی خرید ہیں دو سو پونڈ صرف ہُوئے۔ پاس ہی خان دوران خاں کی قبر کی جالیدار دیوار ہے۔ جو گوالیار سے لی گئی ہے۔ پھر سید مراد شاہ کے مزار واقع مُلتان کا نمونہ ہے جس پر مرحوم کی تاریخ بھی کندہ ہے۔

پھر سانچی ٹوپ واقعہ بھیلسن بھوپال (ممالک متوسط) کی نقل ہے۔ یہ عمارت ہندوستان میں بُدھ مت کے عروج کے زمانے کی یادگار ہے۔ اور اس کو ہندوستان کی نہایت ہی قدیم عمارت کہا جاسکتا ہے۔ عمارت کی صُورت ایک بڑے گنبد کے مشابہ ہے جس کے گرد احاطہ کھنچا ہوا ہے احاطے میں چار دروازے ہیں۔ اُن میں ایک دروازہ بجنسہ میوزیم کے بالائی حصے میں رکھا ہوا ہے۔ گنبد کی تاریخ تعمیر پانسو سال قبل مسیح ظاہر کی جاتی ہے اس کے بانی کا نام نامعلوم ہے دو سو ساٹھ برس قبل مسیح راجہ اشوکا نے اسکو سنگِ سُرخ سے تعمیر کیا اور سینتیس برس قبل مسیح سری سنگارنی (ماگدہ دیس) نے اُس کے دروازے تعمیر کئے۔

دو خانوں میں بُدھ کی ثابت اور شکستہ مجلسیں ہیں بعض مجلس میں بُدھ جی شاگردوں میں

سلہ ہندوستانی شاہزادہ ۱۲

مشغول ہیں اور تعلیم دے رہے ہیں۔ بعض میں بدھ جی یا دالہی میں مصروف نظر آتے ہیں۔ بعض میں بدھ جی کسی قوال سے جس کے ہاتھ میں ساز بھی ہے وجدانی بھجن اور گیت سن رہے ہیں۔ یہ مجلسیں حال ہی میں ملک یوسف زئی سے برآمد ہوئی ہیں۔ انکی تاریخ نامعلوم ہے۔ قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ یہ سمت بکرمی سے بھی نہایت قدیم ہیں۔ یہیں اجمیر کے قدیم بدھ مندر کے شکستہ بت اور ستون موجود ہیں۔ جن کی تاریخ دوسری اور آٹھویں صدی عیسوی کے درمیان بیان کی جاتی ہے۔ یہاں قطبی عمارات (قطب الدین ایبک) کے بھی چند ستون نظر آتے ہیں۔ قریب ہی شمسی عمارات (شمس الدین التمش) کے کچھ باقیات ہیں جن پر کلام مجید کی آیات کندہ ہیں۔ گوڑ۔ واقع بنگال سے شیر شاہی عمارات کے بقیے ہیں جو پندرھویں صدی عیسوی کا نمونہ ہیں۔ فتحپور سیکری سے تخت اکبری بجنسہ یہاں رکھا ہوا ہے۔ اکبر کی قبر واقع سکندرہ کے نمونے اور آرام بانو کے مزار کی نقل بھی موجود ہے۔ تاج گنج کی کئی نقلیں ہیں۔ امرتسر کے سنہری مندر کی نقل بھی یہاں نظر آتی ہے۔ دو کمرے یہاں ختم ہوتے ہیں۔

تیسرے کمرے میں ہندوستان کے پیشہ ور صنعت پیشہ اور تجارت پیشہ دکھائے ہیں۔ اُن کے اوقاتِ زندگی مختلف رسمیں۔ شادی۔ ماتمداری مذہبی رسمیں ہولی۔ دُرگا پوجا اور محرم وغیرہ وغیرہ دکھائے ہیں۔ قدیم وجدید سواریوں کے نمونے۔ پیشہ وروں کے اوزار اور موسیقی کے ساز قدیم وجدید جمع ہیں۔

چوتھے کمرے میں ہندوستان کی ساخت کا کپڑا نظر آتا ہے۔ چھینٹیں سیلے۔ مندیل۔ زردوزی۔ گوٹا۔ اور سوئی کے کام کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے رکھے ہوئے ہیں۔ یہیں ہندوستان کی قوموں کا لباس دکھایا گیا ہے۔

پانچویں کمرے میں لیس کا کام۔ لکڑی کا کام۔ ہاتھی دانت پر کام۔ سینگ کا کام۔ چمڑے کا کام۔ غرض سب صنعتوں کے نمونے رکھے ہیں۔ میز کرسی۔ پلنگ۔ صندوق۔ زین۔ پالان وغیرہ وغیرہ

سب مشہور مقاماتِ ہندوستان کا سامان موجود ہے۔ یہیں چند خانوں میں ہندوستان کے مختلف اضلاع کی پگڑیاں ٹوپیاں رکھی ہوئی ہیں۔

صحن عمارت یہاں ختم ہوتا ہے۔ زینہ کا راستہ لیجئے اور دیواروں پر لٹکتی ہوئی تصویروں پر بھی نظر ڈالتے چلیئے۔ جو ہندوستان کے مختلف مقامات کے مناظر پیش کر رہی ہیں۔ زینہ کے ایک حصے میں دو الماریاں دیوار کے برابر کھڑی ہیں۔ جن میں ہتھیار بند ہیں۔ ایک تلوار پر جو سلاح خانہ اور سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ فارسی شعر سونے کے پانی سے لکھا ہوا ہے:

روز یکہ ہیچکس نبود دادرس مرا — یا مرتضیٰ علی توئی فریادرس مرا

پہلے کمرے میں تانبے۔ پیتل۔ کانسی کے برتن دکھائے ہیں اور دیواروں پر ایرانی۔ افغانی۔ ترکستانی اور ہندوستانی قالین لٹک رہے ہیں۔ دُوسرے کمرے میں ہندوستان کا مروجہ حال و قدیم زیور طلائی و نقرئی دکھایا گیا ہے۔ دو تین خانوں میں شاہ برما کے خزانے کی جڑاؤ چیزیں رکھی ہیں۔ جو انگریزوں نے ۱۸۸۵ء میں منڈالے کے محل سے لی تھیں۔ جن میں کچھ نقرئی اور طلائی برتن بھی ہیں۔

تیسرے کمرے میں ہندوستان کے مختلف اضلاع اور قوموں کے ہتھیار دکھائے ہیں۔ پہلے خانے میں آسام کے ہتھیار ہیں جو زیادہ بھدے اور ناتراشیدہ ہیں۔ پھر نیپال کے ہتھیار ہیں جو ان سے بہتر ہیں۔ مرہٹوں کے ہتھیار ہیں۔ راجپوتوں کے۔ سندھ کے۔ پنجاب کے۔ اور پٹھانوں کے۔ بناوٹ کے لحاظ سے۔ یہ ہتھیار سب ایک ہیں کیونکہ کسی خاص ہتھیار سے ہندوستان میں کسی خاص قوم کو علاقہ نہیں۔ راجپوتوں کا کھانڈا اور کٹار۔ مرہٹوں کا بچھوا اور پٹھانوں کا چھرا مشہور ہے۔ لیکن اور قوموں نے بھی انکو استعمال کیا ہے۔ انگریزوں نے غالباً ان ہتھیاروں کی تقسیم جدا گانہ یوں کی کہ جس قوم سے جو ہتھیار ان کے ہاتھ لگے وہ ہتھیار اُسی قوم کے خانے میں دکھا دیئے۔ اِسی خانے میں دو تین توپیں پڑی ہوئی ہیں اور خود

زرہ - بکتر رکھے ہوئے ہیں -

چوتھے کمرے میں مٹی کے برتن پیالے اور صراحیاں ہیں - دو خانوں میں کانچ کے برتن ہیں - دو تین خانوں میں حال کی مہم تبت کی چند یادگاریں ہیں -

ایک خانے میں قدیم نگینے رکھے ہوئے ہیں - ان نگینوں کا رواج زیادہ - ایران - یونان شام - بابل میں تھا - یہ مجموعہ جو ہندوستان سے برآمد ہوا ہے - اس میں ایرانیوں کے نگینے بھی ہیں اور یونانیوں کے اور رومیوں کے بھی اور چند ہندوستانیوں کے بھی - ان نگینوں کی عجیب عجیب طرح کی شکلیں ہیں - بعض پر پرند کھدے ہیں بعض پر چوپائے کندہ ہیں اور بعض پر انسانی شکلیں ہیں - ان کی تاریخ نگینوں کی طرح خاموش ہے اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کس کس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں -

خزاں سے کون یہ پوچھے کہ کیا ہوئے آخر
وہ پھول لائی تھی اگلے برس جو فصلِ بہار

ہمارے ملکی ناموروں کی یہاں بہت سی یادگاریں ہیں جنکی بابت میرے ہموطنوں نے بہت کم سنا ہوگا - یوں تو یہ میوزیم اور اس کی ہر ایک چیز بجائے خود ایک داستان اور ازیاد رفتہ اسلاف کی یادگار ہے - لیکن یہ نہایت مشکل ہے کہ ہم اُن کے موجدوں اور بانیوں کی تاریخ معلوم کر سکیں - البتہ چند چیزیں ہیں جو اپنے مالکوں کے نام روشن کر رہی ہیں اور انکو ان اوراق پر ہم درج کرنا چاہتے ہیں - ملکی یادگاروں میں تو صرف اکبر نامے کے چند با تصویر اوراق ہیں جو ابوالفضل کا نام زندہ کر رہے ہیں - جن میں زیادہ تر نقاشی سے کام لیا گیا ہے - ان اوراق کے مصوّر اکثر ہندو ہیں - بعض مقام پر مسلمانی نام بھی پائے جاتے ہیں - لیکن مصوری میں انکی بدشوقی تو انکی دینی تعلیم اور قومی شناخت ہے - صنعت و حرفت میں جو ہمارے ملک میں سر آوردہ گذرے ہیں انکی شہرت انکے مٹنے پر غائب ہوگئی یا یہ کہیے کہ انکی مصنوعات موجود ہیں - لیکن وہ

نام جنہوں نے یہ پیاری اور خوشنما چیزیں ایجاد کیں غائب ہیں۔ اب رہے وہ نامور جنہوں نے ہندوستان کی تاریخ میں کارہائے نمایاں کئے اور اپنے اپنے زمانے میں شاہی اور خدائی اختیارات پائے۔ اِن مرمٹوں کی تمام تو نہیں پر چند نشانیاں باقی ہیں۔ انگریز اٹھائی گیرے تو پرلے درجے کے ہیں اور اصل بھی یہ ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے گھر مندروں کی طرح آراستہ بجائے خود عجائب خانے ہیں۔ کوئی بدنصیب گھر ہوگا جس میں ہندوستان کی ایک آدھ چیز نئی پرانی نظر نہ آوے جس زمانہ سے اُنکو تعلق ہندوستان سے ہوا جب سے آج تک اُنہوں نے کیا کچھ نہ لیا ہوگا اِس کا حساب تو وُہ جانیں اور اُنکا خُدا۔ لیکن عام تفرج گاہوں میں جو کچھ نظر آتا ہے وُہ بہت ہی کم ہے۔ کچھ چیزیں ونڈسر کاسل میں ہیں۔ کچھ قصر بکنگھم میں۔ کچھ برٹش میوزیم میں۔ کچھ ٹاور میں۔ کچھ انڈیا آفس میں اور چند یہاں ہیں۔ ٹاور میں ہمارے غریب الوطن کوہ نُور کی نقل رکھی ہوئی ہے۔ اور یہیں سیواجی مرہٹہ کا وہ جانستاں بچھوا رکھا ہوا ہے جس نے افضل خاں کی جان لی تھی۔ اس میوزیم میں جو چیزیں تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں انکو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

سب سے پہلے ایک کُرسی سنگ مرمر کی ہے۔ یہ کُرسی سراج الدین محمد بہادر شاہ نے جنرل سر جارج بروک کو بخشی ہے۔ ایک مقام پر اسی بدنصیب بادشاہ کے دو فرمان لٹک رہے ہیں جو زر افشاں کاغذ پر ہیں اگر ایک فرمان کی نقل ہی درج کر دیجائے تو خالی از لطف نہیں

"درین وقت میمنت اقتران فرمانِ والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ بمقتضائے وفور مراحم خاقانی و تفضلاتِ خسروانی کہ نمونہ افضالِ یزدانی است۔ فدوی خاص لائق العنایت والاحسان سمین فریدرا بخطاب امین الدولہ بہادر ولیر جنگ بین الاعیان والارکان و فی الامثال والاقران سرفراز و ممتاز فرمودیم۔ باید کہ فرزندانِ نامدار کامگار والاتبار و وزرائے ذوالاقتدار و امرائے عالیمقدار و حکام ممالک فدوی خاص معزاللہ را از جانب فیضمآب بادشاہے بشمول

ایں خطاب برگزیدہ و القاب پسندیدہ معزز و مباہی دانستہ انظار عنایت ما بدولت را بحوال فرخندہ مآل بہادر معز الیہ یوماً فیوماً متزاید و بے نہایت دانند۔ تاریخ بست و پنجم ربیع الثانی سال سی ام از جلوس ابد مانوس معلیٰ زیب تحریر یافت۔

اس فرمان پر شاہ موصوف کی مُہر ہے۔ مُہر کے حاشیے پر گذشتہ سلاطین مُغلیہ کے نام تحریر ہیں۔ برابر ہی خطِ طغرا میں "ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی" لکھا ہوا ہے۔

یہاں ایک مسند پوش بھی ہے۔ اُس کی ولادت اگرچہ ترکستان ہے لیکن انقلابِ زمانہ اسے ہندوستان اور ہندوستان سے یہاں لایا۔ یہ مسند پوش امیرِ بخارا نے امیر شیر علیخاں امیر افغانستان کو تحفتاً بھیجا تھا۔ اُن سے انگریزوں کے ہاتھ لگا۔ سُرخ بانات پر زردوزی کا کام ہے۔

سابق مہاراجہ بڑودہ کا انگریزی لباس کوٹ پتلون اور ہیٹ[1] بھی یہاں رکھے ہُوئے ہیں۔ پتلون سیاہ کشمیرے کی ہے۔ جس پر دوہری روپہلی لیس ٹکی ہوئی ہے۔ الپاکے کا سیاہ کوٹ ہے۔ کالر۔ کفون۔ کندھوں اور حاشیہ پر سُنہرا و روپہلا کام ہوا ہے۔ ہیٹ تمام زرنگار ہے۔ چندوے پر سُرخ و سفید پر پھیلے ہُوئے ہیں۔

پگڑیوں اور ٹوپیوں کی قطار میں ایک سرپیچ مرصّع ہے جس پر کلغی اور مالا پڑی ہوئی ہے اس سرپیچ کا علاقہ مہاراجہ مان سنگھ جی مہاراجہ جودھپور سے ہے۔

اِسی موقع پر ایک ٹوپی بھی قابلِ ذکر ہے۔ نہ صرف اس لحاظ سے کہ اس کا علاقہ وزیر شاہ اودھ سے ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ وُہ اپنی طرز میں اکیلی ہے۔ حضراتِ لکھنو تراش خراش اور ایجاد میں تو فرد ہیں۔ یہ بھی اُنکی ایک ایجاد ہے اور بالکل عجیب ہے۔ پہلے ایک بل دار پگڑی کا تصوّر کیجئے۔ پگڑی کی چھت پر ایک چوگوشہ تاج نما ٹوپی مستزاد کیجئے۔ ایسی پگڑی یا ٹوپی

[1] انگریزی ٹوپی ۱۲

کے لئے سر بھی خاص قسم کا تلاش کرنا ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ کے سروں پر تو وُہ بہت ہی بڑی ہے لیکن وزیر شاہ اودہ تھے۔ شاید سر بھی شطہ بمقدارِ علم۔ معمولی سروں سے بڑا ہو۔ مگر افسوس ہے کہ اِس بیچارُ کو فروغ کا تاج نہیں ملا۔

مہاراجہ ہلکر کی تلوار بھی قابلِ تحریر ہے۔ یہ تلوار مہدپور کے واقعہ کی یادگار ہے جس میں انگریز فتحیاب اور مہاراجہ ہلکر کو شکست ہُوئی۔ جنگ کے خاتمہ پر مغلوب ہونے کی علامت میں یہ تلوار مہاراجہ موصُوف نے انگریزی سپہ سالار کو دی۔ گورنمنٹ نے سر جان ملکم کو تحفتًا دی۔ اُن کے متعلّقین سے ایک سو پچاس پونڈ میں میوزیم کے لئے خریدی گئی۔ قبضے پر معمُولی سُنہری کام ہوا ہے اور لعل و زمرد جڑے ہُوئے ہیں۔ میان قرمزی مخمل کا ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی ایک آرام کُرسی ہے۔ تمام کُرسی پر سونے کا پانی پھرا ہوا ہے۔ اندر کی طرف گلابی مخمل کے تکیے بچھے ہیں۔ امیرِ افغانستان کی بھی ایک کُرسی یہاں رکھی ہوئی ہے۔ یہ کُرسی اکتوبر سنہ ۱۸۷۹ء میں امیر کے محل واقع بالا حصار سے انگریزوں کے ہاتھ لگی۔ کرنل ٹی ڈی بگرٹے شاہ ایڈورڈ کو ان کے ولیعہد ہونے کے زمانے میں نذر کی۔ شاہِ موصُوف نے میوزیم میں بھیجدی۔ کُرسی پر بادامی ہلکا رنگ ہے۔ دونوں بازوؤں پر دو شیر تراشے ہُوئے ہیں۔ نشست پر ہلکے سُرخ رنگ کا ریشمی کپڑا منڈھا ہے۔

شاہ شجاع کے آہنی دستانے بھی ہتھیاروں کے کمرے میں نظر آتے ہیں۔ دستانوں پر چاندی چڑھی ہُوئی ہے۔ چاندی پر سونے کے پانی سے عربی میں اللہ میاں کے نام اور عربی جُملے تحریر ہیں۔ پونچے کی طرف بسم اللہ تحریر ہے۔ کلائی پر یا مظہر العجائب اور کُہنی کے قریب لَافتیٰ اِلّا علی لَاسیف اِلّا ذُوالفقار مرقوم ہے۔ حاشیہ پر پُوری آیۃ الکُرسی لکھی ہُوئی ہے۔

نوّاب آصف الدّولہ بہادر کی توپ بھی یہاں رکھی ہُوئی ہے۔ یہ توپ غالبًا غدرِ لکھنؤ میں انگریزوں کے ہاتھ لگی ہوگی۔ اس توپ پر یہ جُملہ تحریر ہے۔ سرکار آصف الدولہ بہادر وزیر المُمالک رستم ہند

امیر ایوب خاں سابق والئ افغانستان کا ایک جھنڈا بھی یہاں لٹک رہا ہے - پرچم کے وسط میں پوری بسم اللہ خطِ طغرا میں تحریر ہے - یہ جھنڈا انگریزوں نے قندہار کی مقام پر لیا تھا - زنانہ لباسوں میں ایک پوشاک لکھنؤ کی آخر بیگم کی نظر آتی ہے - جس میں غرارہ وار زنانہ پاجامہ - ڈوپٹہ اور محرم شامل ہے - ڈوپٹہ سبز ریشمیں ململ کا ہے - جس پر گوٹے ٹپہ سے بیل بوٹے کاڑھے گئے ہیں - کوریں لیس دار ہیں - گوکھرو ٹکے ہیں - پاجامہ سرخ اطلس کا گھیر دار ہے - علیٰ ہذا محرم ہے - پوشاک کا اصلی رنگ مرجھا چکا ہے - قیاساً کہا جاسکتا ہے کہ وہ مستعمل شدہ ہے - انقلابِ زمانہ دیکھئے - بیگم لکھنؤ کی پوشاک اور لندن میں -

برہما کی رانی کی خوابگاہ کا پلنگ بھی قابلِ لحاظ ہے - یہ پلنگ انگریزی کوچ سے زیادہ ملتا جلتا ہے پائے ایک بالشت اونچے ہیں - پایوں کا وہ حصہ جو زمین کو چھوتا ہے پرند کے پنجوں کے مشابہ ہے - پٹیوں اور پایوں پر سرخ وسفید اور سبز شیشے بڑی صفائی سے جڑے ہوئے ہیں - سونے کے پانی میں یہ ٹکڑے بھی عجب بہار دیتے ہیں - یہ وہ پلنگ ہے جس پر شاہ برہما کی رانی سوتی تھی -

سلطان ٹیپو کی یہاں کئی یادگاریں ہیں - کوئی چیز اس قدر عبرت انگیز نہیں ہوگی جس قدر یہ چیزیں - اور جب ہم اس کے مقصدِ زندگی کا خیال بھی ذہن میں لاتے ہیں تو یہ چیزیں اور بھی دل کو گداز کرتی ہیں - یوں تو اس کا مزار ہندوستان میں ہے لیکن یہ چیزیں بھی مزار سے کچھ کم نہیں - یا یہ کہیئے وہاں ایک مزار ہے اور یہاں کئی مزار ہیں - اس مزار میں اس کا جسم دفن ہے اور ان مزاروں میں وہ چیزیں دفن ہیں جو زندگی میں اس کے جزوبدن رہ چکی ہیں - اصلی مزار اس قدر پائدار نہ ہوگا جس قدر یہ مزار پائدار ہیں - ؎

رہیگا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

ایک صندوق میں اسکی شمشیر ہے۔ میان گم ہے۔ یہ تلوار ایرانی ساخت کی ہے۔ بالکل ہلالی وضع ہے۔ قبضہ پر سونا چڑھا ہوا ہے جس پر مشقی کام ہوا ہے جو ہندی ساخت کی تلواروں میں بہت نایاب ہے۔ قبضہ اور تلوار دونوں پرانے معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ قبضے کا سونا اور بیل بوٹے دونوں مٹتے چلے ہیں۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ یہ تلوار ٹیپو کے زمانے سے بھی پرانی ہے۔ تلوار پر سنہری حرفوں میں لکھا ہوا ہے "ٹیپو سلطان" یہ کام نیا ہے اور قبضے کے کام سے بعد کا۔ یہ وہ تلوار ہے جس کے زور سے سلطان ٹیپو ہندوستان کے وہ مُردہ قومی زندہ کرنا چاہتا تھا۔ جنکو عثمانی کہا جا سکتا ہے اور کیا عجب ہے یہی تلوار اسوقت اس کے ہاتھ میں ہو جبکہ وہ سرنگاپٹم کے دروازے پر زخموں سے چُور نقش بیجان ہو کر گرا۔ میاں کا گم ہونا ہمارے خیال کی تائید کر رہا ہے اور یہ نفی بھی ظاہر کر رہا ہے کہ وہ اس کے سلاح خانے سے انگریزوں کے ہاتھ نہیں لگی۔

ایک صندوق میں ٹیپو کا آہنی خود ہے جس کے کناروں پر سونے کی بیل پھری ہے۔ لوہے کا بینی پناہ ہے جسکو کنڈے کے ذریعہ سے اُتارا چڑھایا جا سکتا ہے۔ بینی پناہ کے دونوں بازوؤں میں دو لیاں ہیں جن میں دو زرتار طرّے اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ خود کے وسط میں ایک شاخ نکلی ہے۔ دامن پر لوہے کی چادر جھالر کی طرح لٹک رہی ہے جس کو کڑیوں کے ذریعے سے خود کے ساتھ پیوست کیا ہے۔ یہ چادر چہرے کی طرف چار انگل چوڑی ہے۔ لیکن پشت اور بازوؤں پر اس قدر چوڑی ہے کہ گردن اور کندھوں کی حفاظت بخوبی ہو سکے۔ یہ خود ایرانی قطع کے خودوں سے زیادہ ملتا جلتا ہے کام اس پر اس قدر عمدہ اور خوشنما نہیں۔ کہ اسلامی خودوں میں بہتر کہلایا جا سکے۔ اسی میوزیم میں اس سے اچھے اچھے خود ہیں لیکن ان کی تاریخ سے ہم ناواقف ہیں۔ برٹش میوزیم میں شاہ عباس صفوی کا ایک خود ہے جو تمام خودوں سے بہتر اور اعلیٰ ہے۔

ایک مقام پر ٹیپو کا ٹوپ ہے چمڑے کے استر پر ایک ایک انچہ موٹی روئی جمی ہوئی ہے۔ جس پر چھینٹ کا استر ہے اس پر سبز اطلس منڈھی ہے۔ سبز مخمل کی آدھ آدھ انگل چوڑی گوٹ ہے پہننے پر یہ ٹوپ آدھی پیشانی ڈھانک لیتا ہے۔ گردن اور کندھوں کی طرف سے اس قدر نیچا ہے کہ گردن اور کندھوں کا بچاؤ ہو سکے۔ ٹوپ کے اندر فارسی میں کچھ تحریر ہے لیکن پڑھا نہیں جاتا۔ انگریزی میں اس قدر بیان کیا ہے کہ یہ چیز زمزم کے مقدس پانی میں دھوئی گئی ہے اس لئے کوئی حربہ اثر نہیں کریگا۔ اس عقیدے پر آج کی دنیا ہنسیگی لیکن یہ یاد رہے کہ ٹیپو کا زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے۔ وہ زمانہ ایسا تھا کہ مسلمان مذہب کی روشنی میں آنکھ کھولتے تھے۔ اور اسی روشنی میں آنکھ بند کرتے تھے۔

ایک خانے میں ٹیپو کے دستانے ہیں کہنی سے لیکر کلائی کے قریب تک یک طرفی حفاظت کا کام دیتے ہیں کلائی پر کفوں کی طرح دوہرے ہیں دو طرفہ حفاظت مقصود ہے جو کڑیوں کے ذریعے سے کھولے اور بند کئے جا سکتے ہیں۔ اندر کی طرف تسمے اور گھنڈیاں ہیں جنکو پہننے پر کس دیا جاتا تھا۔ ان دستانوں پر سونے کا کام ہوا ہے اور مشقی بیل بوٹے ہیں۔

اسی خانے میں ٹیپو کا سینہ بند ہے جس سے سینے اور پشت کی حفاظت مقصود ہے۔ سینے کی طرف سے کھلا ہوا ہے اور بٹنوں کے بجائے کڑیاں لگی ہوئی ہیں جو ریشمی تسمے کے ذریعے سے کس دیجاتی ہونگی۔ یہ سینہ بند بھی ٹوپ کی طرح ایک انچہ موٹا ہے اندر شاید چمڑا ہو۔ باہر کا استر سبز اطلس کا ہے جو پرزے پرزے ہو رہا ہے۔

ٹیپو کا زین پوش۔ یہ زین پوش قرمزی مخمل کا ہے چار فٹ آٹھ انچہ لمبا اور چار فٹ ساڑھے آٹھ انچہ چوڑا ہے۔ مخمل پر نہایت اعلیٰ درجہ کا زری کا کام ہوا ہے۔ یہ کام کسی استاد کے ہاتھ کا ہے تمام میوزیم میں اس قدر صفائی کا نمونہ نہیں ملتا۔ بیل بوٹے اپنی وضع میں اعلیٰ درجہ کے ہیں اور جو نزاکت اور ستھرائی کاریگر نے اس کام میں دکھایا ہے وہ لاجواب ہے۔ میوزیم نے

چالیس پونڈ میں اس زین پوش کو خریدا ہے۔

ایک چھوٹی سی پیتل کی توپ ہی جو ڈیڑھ گز لمبی ہے۔ توپ کے منہ پر گینڈے کی شکل بنی ہوئی ہے۔ یہ توپ سرنگاپٹم سے انگریزوں کے ہاتھ لگی۔ یہ توپ بھی سلطان ممدوح کی یادگار ہے۔

یہاں عجیب قسم کا ساز ہے جو اپنی وضع میں اکیلا ہے۔ اس ارگن کی یہ شکل ہے۔ لکڑی کے ڈیڑھ گز لمبے اور پون گز چوڑے تختے پر ایک انگریز چت لیٹا ہے۔ جس پر ایک شیر سوار ہے۔ شیر کی دونوں ڈاڑھیں انگریز کی گردن میں گڑی ہوئی ہیں۔ اگلے پنجے سینے میں پیوست ہیں اور پچھلے پنجے زانوؤں میں۔ شیر کا جسم اندر سے خالی ہے۔ اس خالی مقام میں ایک کل رکھی ہوئی ہے۔ اِس کل میں ہارمونیم کی طرح سے برابر قطار میں اٹھارہ پردے ہیں۔ پردوں پر تین تین انگل اونچی انگل انگل موٹی اٹھارہ نلیاں دوہری قطار میں ہیں۔ جن پر تانبے کا دو انچہ چوڑا تار پردوں کے متوازی لگایا گیا ہے۔ پردوں کے اختتام پر ایک دندانہ دار چکر ہے جسکا تعلق ایک آہنی تار کے ذریعہ باہر کے دستے سے ہے۔ دستہ شیر کے بازو پر باہر کی طرف بنا ہوا ہے۔ دستے کو گردش دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اندر کا چکر حرکت میں آتا ہے اور اس کا اثر نلیوں اور پردوں پر پہنچتا ہے۔ شیر کی دُم پر دو مروڑیاں ہیں۔ جن کے مروڑنے سے اندر کا تار گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ شیر کا جسم تختیوں کے ذریعے سے ڈھکا ہوا ہے۔ تختیاں اس قسم کی ہیں کہ انکو کھولا اور بند کیا جا سکتا ہے۔ یہ ساز سلطان ٹیپو کی تفریحِ طبع کے لئے ایجاد کیا گیا تھا۔ عیار موجد نے یہ کمال دکھایا ہے کہ اپنی اختراع کے ساتھ بھی سلطان کی اداشناسی اور مزاج دانی کو بھی نباہ دیا۔ یہ آلہ ہم کہہ سکتے ہیں کسی ہندوستانی کے دماغ کا نتیجہ تھا۔ اس کو یورپین مصنوعات سے کوئی مشابہت نہیں پردوں کا ڈھنگ ممکن ہے کہ ہارمونیم کے پردوں سے اڑایا گیا ہو اگر یہ ممکن ہی کہ اُس وقت ہارمونیم ہندوستان میں رواج پا گیا تھا۔ ہارمونیم کے پردے طویل مربع ہوتے ہیں۔ لیکن یہ پردے

بالکل مدوّر ہیں۔ پھر اٹھارہ پردوں کا ہونا کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ سوال ہم ماہرانِ فنِ موسیقی کے لئے چھوڑتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایرانی موسیقی کے دروازہ پر وُہ اورشش آہنگ کا مجموعہ ہو۔ سُلطان ٹیپو کی ایرانی تمدّن سے محبّت اس کے ہر مذاق سے پائی جاتی ہے۔

اب ہم یہاں ایک تصویر کا ذکر کرتے ہیں جو اسی میوزیم کے کسی مقام پر لٹک رہی ہے۔ یہ تصویر ایک پُرانے فیشن بزرگوار کی ہے۔ نئی نسلیں سراپائے مقدّس دیکھ کر ہنسیں گی۔ لیکن یہ انکی زیادتی ہوگی۔ بزرگ ہر حال میں واجب التعظیم ہیں۔ رنگین زرتار مسند پر ایک پُرانے ڈھنگ بیٹھے ہیں۔ نشست کی قطع دوزانو ہے جو مغلیہ دربار کی خصوصیات سے ہے۔ سر پر تاج نما دندانہ دار ٹوپی ہے۔ اس پر ہلکا سا پٹکا لپٹا ہوا ہے۔ جس پر موتیوں کی مالا بہار دکھا رہی ہے۔ پیشانی پر زرتار طرّہ اڑیسا ہوا ہے۔ پیشانی چوڑی۔ قد درمیانہ۔ رنگ گورا۔ ناک ستواں۔ ڈاڑھی شرعی۔ سر سے گردن تک لمبے بال ہیں۔ جیسا سندھ میں رواج ہے۔ گلے میں ایک چھوٹے تین ہار اور چوتھی ہنسلی جواہرات کے پڑے ہوئے ہیں۔ بازو پر بازو بند کہئے یا تعویذ۔ آجکل کی دنیا اس قدر تعویذ پرست نہیں۔ لیکن وُہ زمانہ اللہ والوں کا تھا۔ ہاتھی بندے بستے تھے۔ تعویذ گنڈوں پر تو جان قُربان تھی۔ حرز و ہنسلی سے زندگی کا سہارا تھا۔ کلائی پر سونے کی زنجیر بندھی ہوئی ہے۔ سیدھے ہاتھ کی چوتھی اور پانچویں انگلی میں سونے کی انگوٹھیاں چمک رہی ہیں۔ اُلٹے ہاتھ کی مُٹھی قریباً بند ہے لیکن پانچویں اُنگلی مُٹھی میں شامل نہیں۔ جیسے کوئی بتائے کہ اس میں بھی انگوٹھی ہے۔ کمر میں پٹکا بندھا ہے۔ اس پر ڈھال کسی ہے اور تلوار بند ہی ہے۔ زانو کے قریب بھی ایک توڑیدار بندوق پڑی ہوئی ہے۔ پُشت پر میاں محمد بخش خدمتگار ہیں کہ بُت بنے کھڑے ہیں۔ ایک ہاتھ میں مورچھل ہے کمر کسی ہے اور ڈھال تلوار بندھی ہوئی ہے۔ قاضی جی کے چوبے بھی سیانے۔ یہ بھی اپنے آقا کی طرح سیاہگری میں دم بھرتے ہیں۔ خدمتگار ہیں تو کیا ہوا۔

زمانہ گذشتہ کے طرزِ بود و باش کے اس نمونے پر ہم اس عجائب خانے کی سیر ختم کرتے ہیں۔ جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اُس سے اس کی دلچسپیوں کا اندازہ ہو سکتا ہے اور ناظرین یہ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ کتنی دفعہ جا کر گھنٹوں وہیں پڑے رہنے کے لئے سامان موجود ہے۔ ایک ایک چیز لامتناہی سلسلہ خیالات چھیڑتی ہے۔ اور ایک ایک خیال گھڑیوں بے چین رکھتا ہے۔ دل میں قوتِ احساس اور نگاہ میں شوقِ مشاہدہ درکار ہے۔

محمود شیرانی (از لندن)

نالہ بے چھیڑے ہوئے غیر کے پیدا نہ ہوا — میں لبِ نے کی طرح آپ سے گویا ہوا
داغ کیا یاس کو بھی ہجر گوارا نہ ہوا — ایک دل پر مرے کس کس کا اجارا نہ ہوا
صفتِ اشکِ چکیدہ یہ فلک نے کھویا — کہ دمِ حشر بھی کوئی مرا جویا نہ ہوا
ہائے کیونکر نہ کروں میں گلہ محرومی — لاکھ ارمان تھے اور ایک بھی پورا نہ ہوا
عمر بھر رشکِ عدو ساتھ تھا کہتا کیا حال — وہ ملا بھی کبھی تنہا تو میں تنہا نہ ہوا
خوں رلاتی رہی بدفالی شادی برسوں — زخم کی طرح مبارک مجھے ہنسنا نہ ہوا
خشک آنسو نہ ہوئے طعنۂ اعدا سُن کر — خاک اڑانے سے بیاباں کبھی دریا نہ ہوا
مثلِ شمع تہِ فانوس رہا جلوہ فگن — اُس نے پردا بھی کیا ہم سے تو پردا نہ ہوا
کیا کہوں مرتے ہیں کس بات پہ دُنیا والے — اے اجل مجھ کو تو جینا بھی گوارا نہ ہوا
کاملِ راہِ طلب قید سے دیکھے آزاد — موج سے سلسلہ برپا کبھی دریا نہ ہوا
تھے وہ تصویرِ خیالی کہ سوا مٹنے کے — مفت بھی کوئی خریدار ہمارا نہ ہوا
ظلمتِ دل ہے وہی لاکھ جلایا غم نے — پھونک دینے سے بھی اس گھر میں اجالا نہ ہوا
کیا کہوں چھوٹ کے میں اس گلِ تر سے تسلیم — صورتِ نکہتِ برباد کہیں کا نہ ہوا

دو سہ سوز آشنائی بشناختن نیرزد

یہ مصرع جو اس مضمون کا عنوان ہے۔ اُن اقوال کی مثالی ہے جن میں شعرا ایک خاص جوش اور وجد کی حالت میں بہت سے جذباتِ انسانی کو چند لفظوں میں ظاہر کر دیتے ہیں یا بہت سے سالوں کے تجربے اور مشاہدے کو ایک مصرع یا ایک شعر کے تنگ حدود میں بند کر لیتے ہیں۔ شعر میں جو ایک غیر معمولی اثر اور قوت ہوتی ہے۔ جو بعض اوقات آدمی کے دل پر یطرح قابو پالیتی ہے وُہ الفاظ کی ایک مناسب اور موزون ترتیب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن اس ترتیب کا مادہ خدا نے ہر شخص کو عطا نہیں کیا۔ اور سوائے اُن لوگوں کے جن کے حصّے میں مذاقِ شاعری قدرت نے رکھا ہو۔ کسی کو یہ طاقت نہیں کہ محض لفظوں کے ہیر پھیر میں دلوں پر حاوی ہو جائے۔ مذاقِ شاعری سے مراد طبیعت کی وُہ موزونیت نہیں جو عروض کے چند ابتدائی قواعد کے مطابق تک بندی کرنے تک محدود ہوتی ہے۔ اور جس کا شمالی ہندوستان میں قریباً ہر باشندے کو عمر کے ایک نہ ایک حصّے میں دعویٰ ہوتا ہے۔ بلکہ قدرت کا بنایا ہوا شاعر ہم اسکو مانتے ہیں جس کا دل شاعر ہو۔ دل کا شاعر ہونا اردو میں ذرا غیر مانوس محاورہ ہے اور اکثر لوگوں کے کان جو انگریزی نہیں پڑھے اس سے غالباً نا آشنا ہونگے۔ اِس لئے اس کی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ دِل کے شاعر ہونے کے بظاہر تو معنے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ دل غزلیں اور مخمس اور مسدّس کہتا ہو۔ اور تاریخیں نکالتا ہو۔ اور ایک مثنوی عشقیہ بھی لکھ چکا ہو۔ ایک آدھ مرثیہ یا سلام بھی اس کی تصنیفات میں ہو۔ شعر کی جو مختلف صنائع ہیں اُن سے بھی واقف ہو۔ ایک سہرا بھی کسی کی مبارکباد کو نہ سہی۔ ذوق و غالب کے جواب میں ہی کہہ رکھے۔ اور کبھی کسی مشاعرے میں بھی پڑھا ہو۔ لیکن انگریزی میں شاعر

دِل اور بھی معنے رکھتا ہے۔

وُہ دِل جس میں دَرد ہو۔ رِقّت ہو۔ سوز ہو۔ گُداز ہو۔ وُہ دِل جو قدرت اور اُس کے گوناگون تماشوں میں اپنے ساتھ کچھ یگانگت پائے۔ وہ دِل جو قدرت سے قادر کا پتہ لگائے وہ دِل جو خالق کے سبب اس کی مخلوق کا بھلا چاہے۔ وہ دِل جو زندگی کے مقصد کا متلاشی ہو۔ اور وہ دل جو اِن تمام مدارج کو طے کر کے خود فراموشی اور محویت کے ایک ایسے درجے پر پہنچے۔ جس میں وہ عام انسانوں کے طبقے سے اوپر نظر آئے۔

یہ کہنے سے کہ انگریزی میں شاعر دل کے یہ معنے ہیں یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہمارے شعرا میں اِن اوصاف سے متصف شاعر نہیں گذرے۔ ہمارے شعرا میں سے بعض میں صانعِ قدرت نے یہ صفات کُوٹ کُوٹ کر بھری تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا پرتو اُن کے کسی نہ کسی شعر میں۔ رُباعی میں۔ قطعے میں جلوہ افگن ہے۔ بلکہ یہ مدعا ہے کہ اِن اوصاف کو لوازمِ شاعری ٹھہرانا اور اُن اشخاص کو جو ان سے بے بہرہ ہوں۔ غیر شاعر سمجھنا یہ اہل یورپ کی ہی کتابوں میں دیکھا گیا ہے اور وُہ وقت آگیا ہے کہ ہندوستان میں بھی اس اصُول کی پابندی شروع ہو۔ اور جو لوگ اس معیار میں پُورے نہ اُتریں۔ اُن سے شاعری کا خطاب چھین لیا جاوے محض قافیہ اور ردیف کے سمجھنے اور پُرانی لکیر پر چلکر دو چار غزلیں کہہ دینے کا نام ہی شاعری نہ رکھا جاوے۔ اِس سے ہمارے پُرانے اعلیٰ درجے کے شعرا کی ناموری میں جیسے کہ میر۔ مصحفی۔ ذوق۔ غالب۔ آتش۔ ناسخ۔ انیس۔ دبیر ہیں تو کوئی کمی نہیں آئیگی۔ لیکن بہت کچھ رطب و یابس جو ہمارے لٹریچر میں بھرا ہوا ہے۔ چھٹ جائیگا۔ اور شاعری کے پہچاننے کا صحیح مذاق مُلک میں پیدا ہو جائیگا۔ اور لوگ اس قابل ہو جائینگے کہ ایک ایسے مصرعے کو جو اِن چند سطور کا زیبِ عنوان ہے۔ پڑھ کر محض اس کی لفظی خوبی اور بندش ہی کو نہ دیکھیں گے بلکہ ان خیالات پر بھی غور کرینگے۔ جن کے ہجوم کرنے سے شاعر کی زبان پر مصرع

بے اختیار آگیا ہوگا۔ اور جس کے بعد ایک مصرع اس کے پہلے لگا کر یوں شعر مکمل کر لیا ہوگا۔

ممکن آشنائی اے دل بہ کسے کہ نزد دانا
دو سہ روز آشنائی بشناختن نیرزد

بادی النظر میں یہ شعر ایسا قابلِ قدر نہیں معلوم ہوتا یہ خیال میں آتا ہے کہ اگر کوئی اس پر عمل کرے تو اس ڈر کے مارے کہ آشنائی چند روزہ ہے۔ کسی سے آشنائی ہی نہ کرے دنیا کے دن بے یار و مددگار بے دوست و آشنا کاٹ لے اور چل بسے۔ اس صورت میں تمام دنیا کے داناؤں کی کثرت رائے اس کے برخلاف ہوگی۔ کیونکہ ان سب نے باوجود دنیا کی بے ثباتی کے دنیا میں دوستی کو بہت بڑھایا ہے۔ اور ہر شخص کے لئے دلی دوست پیدا کرنے اور انکی خدمت کرنے کی تاکید کی ہے اور سچے دوست کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت قرار دیا ہے۔ شعرا نے دوستوں کی دوستی کی تعریفیں کی ہیں۔ فسانوں میں پریوں کی غمگساری کی حکایتیں ہیں۔ اور تاریخوں میں باوفا اصحاب کی وفاداری کی روایتیں ہیں مسلمانوں کے ہادی برحق نے دوستوں کے حاصل کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور ان کے بعد کے بزرگانِ دین کا بھی یہی مسلک رہا ہے۔ پس "ممکن آشنائی" پر کیونکر عمل ہو سکتا ہے لیکن تھوڑی دیر غور کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ یہ شعر نہ تو آشنائی کا مانع اور متقدمین کے عمل کے متضاد ہے۔ بلکہ عین اس کے موافق ہے۔ اور اطمینانِ قلب انسانی جو شعرا اور فلسفے کا اعلیٰ مقصد ہے۔ ایسا نسخہ لئے ہوئے ہے۔ جو دلوں کو پریشانی سے بچانے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

اس شعر کی سچائی کی تصدیق کسی ایسے حرمان نصیب سے کیجئے۔ جس نے مدت کی تلاش کے بعد اپنے دل کی پسند کے مطابق ایک شخص دیکھا ہو۔ کسی ذریعے سے اس کے ساتھ ملاقات پیدا کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس میں ناکامیاب ہوا ہو۔ پھر اور کوئی ذریعہ ڈھونڈھا ہو

مگر وہاں بھی ناکامی نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا ہو۔ کوئی اور ترکیب سوچی ہو۔ مگر پھر بھی تیر نشانے پر نہ بیٹھا ہو۔ آخر ملاقات ہوئی ہو۔ اب ملاقات بڑھانے کی فکر ہو۔ مگر جس کا یہ مشتاق ہو وہ اس سے دور دور کی سلام علیک ہی پسند کرے۔ مشکلوں سے اس نے ربط بڑھایا ہو۔ پھر ربط بڑھنے کی حالت میں پند امتحانات اس پر آئے ہوں اور ان میں بھی یہ پورا اترا ہو۔ اور عین اس وقت جب وہ یہ سمجھے کہ جسے میں چاہتا تھا وہ میرا ہو لیا تو کوئی ایسی غلط فہمی درمیان آجائے کہ شخص موصوف پھر بدگمان ہو جائے اور منائے نہ منے اور بات ایسی بگڑے کہ بنائے نہ بنے۔ کیا یہ اس حالت میں اس کے منہ سے بیساختہ نہ نکل جائیگا؟

ع دوسہ روز آشنائی بشناختن نیرزد

کیا اس کو وہ دو چار دن جو باہم ارتباط میں گذرے اس زمانہ دراز کے سامنے جو اشتیاق میں گذرا تھا بہت ہی کم نہ نظر آئینگے؟ اور کیا وہ یہ نہ کہیگا کہ "شناختن" کی تکلیف کی قیمت بھی ادا نہ ہوئی۔

اس سے بھی زیادہ تصدیق کی ضرورت ہو تو کسی ایسے شخص کو ڈھونڈھو۔ جس نے ایسی تلاش سے جیسی اوپر بیان کی گئی ہے۔ بیس بائیس سال میں دو چار دوست پیدا کئے ہوں۔ جس نے اس عرصے میں والدین اور اعزہ اور اقربا کی بے غرض محبت کی قدر کرنی سیکھی ہو۔ اور جس کے دل میں اس کے عوض دینے کے نیک ارادے ہوں۔ جس نے بہت انتظار کے بعد اپنے مطلب کی بیوی پائی ہو۔ اور نکاح کے بعد یہ محسوس کیا ہو کہ دنیا میں پوری خوشی با عصمت اور تعلیم یافتہ بیوی کے مل جانے سے ہے۔ اور جس نے مناسب نکاح کا پہلا اور سب سے عمدہ میوہ ایک صحیح اور خوش رو بچہ ابھی ابھی دیکھا ہو۔ اور جو بچپن سے لیکر اس وقت تک کے دراز عرصے میں دنیا کی سب چیزوں سے محض آشنا ہوا ہو اور اس آشنائی کے لطفوں کے کچھ عرصے تک حاصل کرنے کے خیال میں ہو۔ کہ اچانک اسے پیام اجل

آجائے۔ اور وُہ تمام اُمیدوں اور آرزوؤں کو خیرباد کہتا ہُوا اور در و دیوار پر حسرت سے نظر کرتا ہُوا عالمِ بالا کو سدھارنے لگے۔ اگر اس وقت کان لگا کر اُس کی کمزور آواز سنو یا اگر لب بند ہوں تو اس کی صدائے دِل سُنو تو یہ کہہ رہا ہوگا۔ کہ ع

دوسہ روز آشنائی بشناختن نیرزد

اچھا ان خیالی مثالوں کو چھوڑ کر سرسیّد احمد خاں مرحوم کی واقعی مثال کو لیں۔ اس کے بچپن کو دیکھیں۔ اس جوانی پر نظر ڈالیں۔ اس کے ادھیڑپن کے زمانے پر غور کریں۔ اور اس کے بڑھاپے کو خیال میں لائیں۔ شروع سے یہ دُھن اُس کے سر میں سمائی ہُوئی تھی کہ قومِ مسلمان جو علومِ زمانۂ حال سے نفور ہے۔ اِن کی طرف راغب ہو۔ جہالت اور مذہب کی نسبت توہمات بیجا اور خیالاتِ باطل جو ان کے دلوں میں گھر کئے ہُوئے ہیں۔ اِن سے دُور ہوں۔ وُہ اسلام کی حقیقت کو پہنچیں۔ اور اس کے اصُول پر کاربند ہوں۔ اور اُن بدعات کو جو دُوسری اقوام کی رسُومات کے اثر سے اُن میں پیدا ہُوئی ہیں چھوڑیں۔ اسلام کی وقعت غیر قوموں کے دلوں میں پیدا ہو۔ اور اس کی شان بڑھے۔ اس دُھن کے پُورا کرنے کے لئے سیّد مرحوم مدّۃ العُمر محنت کرتا رہا۔ گالیاں کھاتا رہا۔ بدنامی سر پر لیتا رہا۔ کُفر کے فتوے سُنتا رہا۔ اور جب وہ زمانہ قریب آیا کہ اپنی محنت کا ثمرہ اُٹھائے۔ لوگوں میں وُہ شوق جو وُہ پیدا کرنا چاہتا تھا پیدا ہونے لگا۔ اُس کی نیکنامی شروع ہُوئی۔ اُس کی تکفیر کے فتوے بند ہُوئے اقوامِ غیر بھی مسلمانوں کو قوموں میں شمار کرنے لگیں تو مشیّتِ ایزدی میں یہی آیا۔ کہ اس کا وقت ختم کر دیا گیا۔ کیا وہ دوسہ روزہ آشنائی جو سرسیّد مرحوم کو قومی ترقی کے آثار سے ہُوئی اُس محنت کا جو "شناختن" میں صرف ہوتی تھی معاوضہ ہو سکتی ہے۔ گو اُس کو اس تسلّی نے کہ کام شروع ہو گیا ہے خواہ تکمیل اس نے نہ دیکھی۔ شاید اس مصرعے کو شکایتاً پڑھنے سے روک لیا ہو۔

تحصیلِ علوم و فنون میں یہی حال نظر آتا ہے کہ تحصیل کا عرصہ اُس عرصے سے جس میں اس

تحصیل سے فائدہ اُٹھایا جائے عموماً کم ہوتا ہے۔

مثلاً کسی علم کی تکمیل کے لئے تو کم از کم ایک عمر چاہئے۔ فرض کیجئے کہ کوئی شخص عمر بھر صرف کرکے بڑھاپے کے قریب اُس سے کماحقہٗ آشنائی حاصل کرتا ہی پس وُہ دن جن میں وہ اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے شناخت کے زمانے کا پورا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ فرض کرو کہ ایک طبیب پچاس سال کے تجربے سے نبض کو پہچاننے میں تھرمامٹر کا رتبہ حاصل کرتا ہے۔ مگر جلد وُہ تجربہ اس کے ساتھ ہی قبر میں جاتا ہے اور اُس سے دُوسرے کی طرف منتقل نہیں ہوسکتا۔ ایک علم کیمیا داں عمر بھر کی محنتِ شاقہ کے بعد ایک **ڈسکوری** کرتا ہے یا کوئی ماہر علم طبعیات کوئی نئی اور مفید ایجاد کرتا ہے۔ یا فلسفی کوئی تھیوری نکالتا ہے۔ کہ اتنے میں پیمانۂ عمر لبریز ہوجاتا ہے۔

اِن مثالوں سے یہ ظاہر ہوتا ہی۔ کہ یہ تو عام دستور ہے جو سب پر کم و بیش اثر کرتا ہی۔ کہ آشنائی میں محنت کرنی پڑے اور شناخت کے بعد لُطف یا فائدہ اُٹھانے کے دن کم ہوں۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ اس خیال سے وُہ محنت ہی نہ کریں۔ وُہ تو مایوسی کی حالت میں انسان کے دل سے یہ نکل جاتا ہی۔ کہ کاش اس مصیبت میں نہ پڑتے تاکہ یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اِس اظہارِ ناراضگی سے طبیعت ایک گونہ تسلی پاتی ہے۔ مگر ایسے بیتابانہ الفاظ یا فقرات کبھی مانع سعی نہیں ہوتے کیونکہ دُنیا میں اصلی راحت تو سعی میں ہے۔ گو انسان ہر وقت اس بات کو نہیں سمجھتا۔ اور شاعر نے جب ایسی ہی مختلف خیالات کے ہجوم سے جنکے نمونے اوپر لکھے گئے ہیں۔ یہ بیساختہ مصرع کہا تو اسکا مقصد یہ تھا کہ یہ خیال کہ حصولِ مدعا کے بعد اس کا لُطف چند روزہ ہوتا ہی۔ اور دُنیاوی چیزیں بہرحال چند روزہ ہیں۔ ہر وقت پیشِ نظر رہے۔ اور اس خیال سے وُہ ہر فرصت کو غنیمت سمجھے اور آشنائی کے حصول میں اتنا وقت ضائع نہ کردے جتنا بعد کے لاانتہا لُطفوں کی اُمید ہونے کی صُورت میں کوئی کرسکتا ہے۔

اور نیز یہ کہ جب اسکی کوششوں کا حاصل اُس سے چھننے لگے تو وُہ صبر کو بالکل ہاتھ سے نہ دی بیٹھے بلکہ اس خیال سے تسلی پائے کہ آشنائی تو اپنے نیچر ہی میں دوسہ روزہ تھی۔

(عبدالقادر)

خُدا کی ہستی

سُقراط حکیم نے سُن رکھا تھا کہ ارسطادیموس نہ قربانی کرتا ہے۔ نہ نماز و وظیفہ پڑھتا ہے۔ نہ مندروں کے پُجاریوں کی وساطت سے اپنے کاروبار کی نسبت دیوی دیوتاؤں کا منشا دریافت کرتا ہے۔ بلکہ اَور لوگ جو ایسا کرتے ہیں اُن پر ہنستا ہے۔ اِس لئے موقع ملنے پر اس نے ارسطادیموس کے ساتھ اس طرح پر گفتگو کا سلسلہ چھیڑ دیا۔

س ۔ ارسطادیموس! کوئی شخص ایسے بھی ہیں جن کی لیاقت کی وجہ سے تم اُنکی قدر کرتے ہو؟

ا ۔ ہاں! کیوں نہیں!

س۔ بھلا اُن کے نام تو لو۔

ا ۔ ہومر۔ رزم و بزم کی نظم میں ۔ ملینا پدیس ۔ رندانہ و مستانہ غزلخوانی میں ۔ سفوقلیز ۔ اندوہ ناک ناٹک میں ۔ پُل قلطس ۔ بُت تراشی میں ۔ ذوکسیط نقاشی اور مصوری میں ۔

س ۔ بھلا تم کن استادوں کو تحسین و آفرین کے لائق خیال کرتے ہو۔ آیا اُن کو جو بیجان اور بے رُوح صُورتیں اور مورتیں بناتے ہیں ۔ یا اُن کو جو ذی رُوح اور ذی حیات بناتے ہیں کہ اپنی مرضی سے چلتے پھرتے ہیں اور گویائی و نطق سے بہرہ ور ہیں؟

ا ۔ بیشک آخرالذکر کو ۔ بشرطیکہ وہ عقل و شعور سے کام لیتے ہوں ۔ اور اتفاقات و حادثات کے بھروسے پر نہ بیٹھے ہوں ۔

س ۔ بعض چیزیں ہیں کہ انکی نسبت ہم نہیں کہہ سکتے کہ وُہ کیوں بنائی گئی ہیں ۔ بعض اور چیزیں

ہیں کہ صریحاً اچھی اور مفید ہیں - ان دونوں فریق میں سے تم کس کو عقل وشعور کا کا کام کہو گے اور کس کو اتفاق کا؟

ا - معقول بات تو یہ ہے کہ جو چیزیں صریحاً اچھی اور مفید ہیں انکو عقل وشعور کا کام جانیں

س - تو کیا تم نہیں خیال کرتے کہ جس صانع نے آدمی کو دیکھنے کے لئے آنکھ - سننے کے لئے کان - اور اور چیزوں کے جاننے کے لئے باقی حواس دیئے اسکو انسان کی مصلحت اور منفعت منظور تھی؟ خوشبوئیں کس کام آتیں اگر ان کے آنے کی سبیل یعنی ناک نہ ہوتی؟ حلق اور تالو کے مزے کس طرح لیتے اگر زبان میں ٹوا لینے کی قابلیت اور تمیز نہ رکھی جاتی؟ آنکھ کیسی نازک شے ہے؟ اس کی حفاظت کے لئے پپوٹے ہیں - کہ دیکھنے کے وقت کھلے رہتے ہیں اور سوتے ہی مند جاتے ہیں - کیا اس انتظام میں تم کو پیش بینی اور پیش بندی کا گمان نہیں گذرتا؟ دیکھو تو سہی کس خوبی کے ساتھ پلکیں خاک دھول کو آنکھ کے اندر جانے سے روکتی ہیں اور بھویں پیشانی کے پسینے کو بہکر آنکھوں کے اندر اُترنے اور خلش کرنے سے باز رکھتی ہیں! کس حکمت کے ساتھ کان کو بنایا ہے کہ کل آوازوں کا خیر مقدم کرتا ہے اور ایک کو دوسرے کا سدِّراہ نہیں ہونے دیتا - جانداروں کے جبڑوں کو دیکھو کہ آگے کے دانت نوالہ کترنے اور پیچھے کی ڈاڑھیں اس کو نرم کرکے حلق سے اُترنے کے قابل بنانے کے لئے کتنی موزوں ہیں! منہہ کو آنکھ اور ناک کے تحت میں رکھا ہے - تاکہ اس کو ہدایت ہوتی رہے کہ کونسی چیز اندر لے جانے کے کام کی ہے اور کونسی نہیں ہے - یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ جو اشیا حواس کو پراگندہ کرنے والی ہیں اُن کو حواس سے کتنا دُور رکھا گیا ہے - پس جہاں یہ احتیاط اور انتظام موجود ہے - وہاں تم کو اس بات کے بتانے میں کیا تامل ہوسکتا ہے کہ آیا یہ پیش بینی کا نتیجہ ہے یا محض اتفاق وحادثات کا؟

ا - مجھے اس بارے میں ہرگز ہرگز کوئی تامّل نہیں ہے۔ میں جس قدر غور و فکر کرتا ہوں اسی قدر میری طبیعت یہ کہتی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسے صانع کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے جو نوعِ انسان کو سب سے عزیز رکھتا ہے۔

س - بھلا اس باب میں تمہاری کیا رائے ہے کہ اس نے ہر جاندار میں اپنی نسل کے بڑھانے کی خواہش پیدا کی ہے۔ ماں میں اولاد کی اتنی ممتا اور محبت رکھی ہے۔ اور پیدائش کے وقت سے اخیر دم تک ہر ذی حیات زندگی پر جان دیتا ہے اور موت سے جی چراتا ہے؟

ا - رائے کیا ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اس نے ان کی ذات اور نوع کے قیام کا پورا پورا انتظام کر دیا ہے؟

س - بس ہیں تو خاتمہ نہیں ہو گیا۔ ابھی چلے چلو جواب دیئے جاؤ۔ شاید تم ہی مجھ سے کوئی سوال پوچھنے لگو۔ مجھے یقین ہے اس بات سے تو تم بے خبر نہیں ہو کہ تم کو عقل و شعور عطا کیا گیا ہے۔ پھر کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اور کوئی صاحبِ عقل و شعور کہیں ہے ہی نہیں؟ ذرا سوچو۔ تمہارا بدن ایک مٹھی خاک ہے اس تودۂ عظیم کی جو تمہارے سامنے موجود ہے۔ وہ نمی جس سے یہ مٹی خمیر ہوئی ہے ایک قطرہ ہے اس بحرِ ناپیدا کنار کا جو کل روئے زمین پر محیط ہے۔ گویا تمہارا جسم ایک ذرہ ہے اس مجموعۂ عناصر کا جس کی بے اندازہ مقدار دنیا میں موجود ہے۔ پس اگر کوئی اور صاحبِ عقل و شعور کہیں نہیں ہے تو تمہارا عقل و شعور ہی ایک ایسی شے ہوئی جو تمہارے نصیب سے نہیں معلوم کہاں سے تم کو مل گئی۔ اور تم شاید یہ کہو گے کہ یہ تمام کائنات اور یہ کل اجسام و اجرام کسی صاحبِ عقل و شعور کی مدد کے بغیر آپ ہی آپ یونہی مرتب و منظوم ہو گئے ہیں؟

ا - میری سمجھ میں تو اور کوئی بات آتی نہیں۔ دنیا میں جو چیز ہم بنتی ہوئی دیکھتے ہیں اکثر

بنانے والا بھی نظر کے سامنے موجود ہوتا ہے۔ تم کہتے ہو دُنیا اور اس کے کل کارخانے کو دیوتاؤں نے بنایا ہے اور وہی اس کا انتظام کرتے ہیں۔ مگر وہ دیوتا ہیں کہاں؟ کہیں نظر تو نہیں آتے۔

س۔ تم اپنی رُوح کو بھی تو نہیں دیکھتے جو تمہارے جسم کی حاکم ہے۔ لیکن نظر نہ آنے کے سبب سے کیا تم یہ نتیجہ نکالو گے کہ تم جو کام کرتے ہو وہ رُوح کی تحریک اور ہدایت کے بغیر خود بخود یونہی چلا جاتا ہے؟

ا۔ (کچھ تذبذب کے ساتھ) میں خُدا کی تحقیر تو نہیں کرتا۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس کی ذات ایسی کامل اور غنی ہے کہ اس کو میری اور میری بندگی کی ضرورت نہیں ہے۔

س۔ یہ سراسر غلطی ہے۔ بایں کمال و استغنا جب دیوتا تمہارا اتنا خیال کرتے ہیں تو تمہارا فرض ہے تم بھی انکی اتنی ہی حمد و ثنا کرو۔

ا۔ مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ اگر مجھے یقین ہو جائے کہ دیوتا انسانوں کے کاروبار میں دلچسپی ظاہر کرتے ہیں تو میں ہرگز ان کی بھینٹ پوجا میں کوتاہی نہ کروں۔

س۔ ہیں! ابھی تم کو یہی یقین نہیں ہے کہ دیوی دیوتا انسانوں پر کیا کیا احسان کرتے ہیں! دیکھنے۔ سُننے۔ چکھنے کی قوت تو جیسی اور جانوروں کو دی ہے ویسی ہی ہمیں دی ہے۔ مگر ٹانگوں پر کھڑا ہو کر چلنے کا شرف کیسا ہے؟ جانوروں کو تو یہ شرف نہیں ملا۔ اس سے انسان کو کتنے فائدے ہیں! اسی کی بدولت آگے دیکھتا ہے۔ دُور کی چیز تاک سکتا ہے۔ چوپائے اپنی ٹانگوں سے چلنے کے سوا اور کوئی کام نہیں لے سکتے۔ انسان پر اس معاملے میں بھی نفس علوی کا بڑا احسان ہے۔ اس کو ہاتھ بھی دیئے ہیں کہ ان سے ہزاروں بڑے بڑے مفید کام لیتا ہے۔ اور فضیلت کے علاوہ بیحد مسرت

حاصل کرتا ہے۔ جانوروں کو زبان دی گئی ہے۔ مگر کلام کی طاقت ان میں نہیں ہے۔ کلمہ زبانِ انسانی ہی پر موضوع ہوتا ہے۔ جو اس کے خیالات کو ظاہر کرتا ہے اور دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ اور ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ اُنہوں نے اور جانوروں کی لذت و راحت کو خاص خاص وقتوں اور موسموں کے تابع رکھا ہے اور انسان کے لئے یہ سب قیدیں ہٹا دی گئی ہیں کہ ہر قسم کی راحت ہر وقت محسوس کرتا ہے اور ہر نوع کی لذت ہر موسم میں روا ہے۔

خدا نہ صرف ہمارے جسم کی خبر لیتا ہے۔ بلکہ ہماری رُوح کی بھی خبر لیتا ہے۔ ہم خالقِ کل نے ہمیں نہ صرف جسمانی فضیلت دی ہے۔ بلکہ سب سے بڑی بخشش جس سے اسکی انسان پر پوری ظاہر ہوتی ہے وُہ رُوح ناطق ہے جو اس نے ہمارے قالب میں پھُونکی ہے۔ اور رُوح بھی وُہ جسے اشرف الارواح کہنا چاہیے۔ کیونکہ اور کس جانور کی رُوح خُدا کو جان سکتی ہے اور اُس کی قدرت کے کارخانوں کو پہچان سکتی ہے؟ کیا انسان کے سوا کوئی اور ذی حیات بھی ہے جو خدا کی بندگی کرتا اور اُسے پُوجتا ہے؟ کونسا جانور ہے جو آدمی کی طرح بھوک پیاس سردی گرمی سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے؟ اور کونسا جانور ہے جو آدمیوں کی طرح بیماری کی دوا کر سکتا ہے۔ اپنے قوا سے کام لے سکتا ہے۔ تحصیلِ علم کر سکتا ہے۔ اور اپنی دیکھی بھالی سُنی سنائی باتوں کو تمام و کمال یاد رکھ سکتا ہے؟ اگر اسکی جسمانی اور رُوحانی فضیلتوں کا خیال کیا جائے تو انسان اور جانداروں کے مقابلے میں الوہیت کا مرتبہ رکھتا ہے۔ اگر اس کو بیل کا جسم دیا جاتا تو اس کی فہم کی رسائی کس کام آتی۔ منصوبے اور تدبیریں سوچ لیتا لیکن انکی تعمیل بیل کیونکر کرتا؟ برعکس اس کے بیل کو انسان کا جسم ملتا اور عقلِ انسانی نہ دی جاتی تو دیگر بہائم سے کس بات میں فضل اکمل ہوتا؟ دیکھو تو سہی دیوتاؤں نے عمدہ سے عمدہ جسم تم کو دیکر کیسی لطیف ترین

وشریف ترین رُوح اُس میں پھونکی ہے! کیا اب بھی تم یہی کہے جاؤ گے کہ وُہ تمہاری کچھ خبر نہیں لیتے؟ دیوتاؤں سے تم کیا چاہتے ہو جو تمہیں یقین ہو کہ ہاں وُہ تمہاری خبر گیری کرتے ہیں؟

ا۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ جس طرح تمہارے بیان کے مطابق تمہارے پاس اُن کے پیغام آتے ہیں میرے پاس بھی آیا کریں اور مجھے بھی وُہ براہِ راست مطلع کرتے رہیں کہ مَیں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔

س۔ کیا جب وُہ ایتھنز کے کل باشندوں کے لئے کوئی ہدایت کرتے ہیں تو تم یہ خیال کرتے ہو کہ وُہ تم سے مخاطب نہیں ہیں؟ جب غیر معمولی حادثات و کرامات کے ذریعے سے وُہ کل اہلِ یُونان کو آنے والے واقعات سے متنبہ کرتے ہیں تو کیا وُہ تمہاری طرف سے خاموش ہیں اور ایک اکیلے ارسطاڈیموس ہی کو بھول جاتے ہیں؟ لوگوں کے دلوں میں جو اُنہوں نے یہ اعتقاد پیدا کر دیا ہے کہ رنج و راحت سب دیوتاؤں کی طرف سے ہے وُہ رنج و راحت پر قادر ہونے کے بغیر ہی پیدا کر دیا ہے؟ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ اگر یہ محض دھوکا ہوتا تو انسان آجتک اس سے بے خبر رہتے اور اِس سے اپنے تئیں نہ بچاتے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ قدیم سے قدیم اور عاقل سے عاقل قومیں خُدا پرست ہوتی رہی ہیں۔ اور ہر ایک انسان کی عمر میں خدا پرستی کی خواہش درجۂ کمال کو اسوقت پہنچتی ہے جب اس کی عقل پختگی کی سمت الراس پر ہوتی ہے؟ اے عزیز! دھیان کر کہ تیرا نفس کس طرح سے تیرے جسم پر اپنی مرضی کے موافق حکمراں ہے۔ اور یقین کر کہ اسی طرح ایک روح ہے جو کل عالم پر حاوی ہے اور اسکو اپنی مرضی کے موافق چلا رہی ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال ڈال کہ تیری ناقص آنکھیں تو کوسوں دُور کی چیز کو دیکھیں اور خدا تعالیٰ ایک ہی وقت میں سب چیزوں کو نہ دیکھ سکے

یہ خیال کرکہ میں ایتھنز اور مصر اور سسلی کے معاملات پر جامعیت کے ساتھ غور و فکر کرسکتا ہوں اور خدائے عزوجل کل کائنات کے معاملات پر ایک ہی وقت میں غور نہیں کرسکتا۔ انسان کی احسانمندی کا امتحان جب ہوتا ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی سلوک کیا جائے۔ اس کی دانائی کی آزمائش یوں ہوتی ہے کہ اس سے کسی مشکل اور پیچیدہ معاملے میں مشورہ طلب کیا جائے۔ اسی طرح اگر تم خدا کی قدرت اور مخلوق پروری کا ثبوت چاہتے ہو تو سچے دل سے اس کی بندگی اور پرستش کرو۔ اس وقت تجھ کو یقین کامل ہو جائیگا کہ خدا سب کو دیکھتا ہے۔ سب کچھ سنتا ہے۔ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہے۔ اور کل آور کائنات کا انتظام و انصرام کرتا ہے*

جیارام

کولرج کے اقوال

(۱) اگر یہ سچ ہے کہ انسان کی مصیبتیں اس کی بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوئی ہیں۔ تو یہ بھی سچ ہے کہ بعض اوقات انسان کی بداعمالیاں معصیت کی بدولت ہوتی ہیں۔

(۲) میرے ایک دوست کا یہ قول تھا کہ کوئی عقیدہ یا رائے اسوقت تک بچے کے ذہن نشین نہ کرنی چاہیئے جب تک کہ وہ سن تمیز کو نہ پہنچ جائے اور اپنے لئے پسند کرنے کی قوت اس میں پیدا نہ ہو جائے۔ ایک دن میں نے اسے اپنے باغ کی سیر کرائی۔ جسکو دیکھکر وہ بولا۔ کہ یہ باغ کس کام کا ہے۔ اسمیں تو تمام خس و خاشاک اُگ رہے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ یہ باغ ابھی تک سن تمیز کو نہیں پہنچا۔ اسلئے خس و خاشاک اُگ آئے ہیں۔ مجھے یہ نامناسب سمجھا کہ اپنی تعصب کو دخل دوں اور اس میں بر وقتی گلاب چنبیلی اُگاؤں

خوشی

دُنیاوی خوشی کیا ہے؟ کیا وہ خیالی صُورت جس کا ذکر تو ہم نے ہزاروں مرتبہ سُنا مگر دیکھا کبھی نہیں؟ کیا وہ جس کے وعدے ہم سے ہمیشہ ہوتے ہیں اور ہمیشہ ٹوٹتے ہیں اور پھر بھی ہم اس کے وعدوں کا یقین کر لیتے ہیں؟ کیا وہ جو بلا کسی حقیقت کے صرف باتوں ہی باتوں میں بہلاتی ہے اور پھل کے بجائے صرف پھول ہی میں ٹالدیتی ہے؟ جو لوگ اس کے مزے سے محروم ہیں وہ اس کے مشتاق ہیں مگر جو اُس کا لُطف اُٹھا سکتے ہیں وہ اسکو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اُمّید اس کی علم بردار ہے مگر مایوسی بھی اس کے ہمرکاب ہے۔ اُمید ہمارے تخیّل پر مبنی ہے اور اس کے حصُول کا ہمیں یقین دلاتی ہے مگر مایوسی ہمارے تجربہ کا نتیجہ ہے اور ہم مجبوراً اس کی بات کو صحیح مانتے ہیں۔ زندگی کے قص کی تمام حرکات خوشی پر مبنی ہیں جو ہمیں پیچیدہ راستوں اور ٹیڑھی گھاٹیوں میں گھسنے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔ مگر وہ ہم میں سے کسی دو افراد کو بھی ایک ہی راستہ سے نہیں لیجاتی۔ ارسطیس[۵۱] اسکو نفسانی حظائظ میں ڈھونڈھتا ہے۔ سقراط[۵۲] صرف حکمت میں اُسے پاتا ہے اور اپی کیورس[۵۳] ان دونوں کو اس کا سرچشمہ بتلاتا ہے۔ غرض اُس نے ہر ایک پر اپنا

---

۵۱ ارسطیس ( ) حضرت مسیح سے چار سو برس پہلے یونان میں پیدا ہوا۔ اور سقراط کا شاگرد بنا۔ اُس کا طریقہ زندگی اپنے اُستاد کی رائے اور عمل کے برخلاف عیاشانہ اور زنانہ تھا۔ اور محض نفسانی خوشی کو نیکی سمجھتا تھا +

۵۲ سقراط ۴۶۹ قبل مسیح پیدا ہوا +

۵۳ اپی کیورس یونانی فلسفی حضرت مسیح سے ۳۴۲ برس پہلے پیدا ہوا۔ فلسفہ کی تحصیل ایتھنس مین

مقناطیسی اثر کیا لیکن کسی کو نگاہِ لطف سے نہیں دیکھا۔ اگرچہ یہ لوگ بھی بہت سے اور طالبین کی طرح اس کے خاص لطف کی لاف زنی کرتے رہے۔ اس کی ناکامیابی دیکھ کر سٹوِاک[۵۱] فرقہ نے اُس کے حصول کا ایک نیا اور عجیب طریقہ نکالا۔ یعنی اس کا طالب رہنا مگر اُسے بُرا کہ کر اُس کے حصول کی طرف تکنا مگر اُس سے احتراز کرکے۔ غرض اُن کا تکبرانہ خیال یہ تھا کہ جتنا اُس سے بچا جائے۔ اور جتنا اُس سے بھاگا جائے۔ اتنی ہی وہ

بقیہ حاشیہ:- کی اور پھر ۳۰۶ قبل مسیح میں ایتھنس میں ایک باغ خرید کر وہاں سکونت اختیار کی اور اپنی تعلیم جاری کی۔ اسکی بڑی تعلیم یہ تھی۔ کہ اخلاق میں صرف خوشی سب سے بڑی نیکی ہے۔ اور خوشی عقل کی مدد سے حاصل کرنی چاہیے۔ کیونکہ دانائی سب خوبیوں میں افضل ہے۔ اور صرف اخلاقی تکمیل سے خوشی میسر آتی ہے۔ رُوح کے غیر فانی ہونے سے اُس نے انکار کیا۔ دیوتاؤں کے وجود کو تسلیم کرتا تھا مگر کہتا تھا کہ انسانی معاملات سے وہ تعارض نہیں کرتے۔ اسکی تصانیف سب معدوم ہوگئیں کچھ باقی ہیں۔ ۲۷۰ قبلِ مسیح انتقال کیا۔

[۵۱] زینو۔ ایک یونانی فلسفی سٹوِاک فرقہ کا بانی تھا۔ اس کی تاریخِ پیدائش نامعلوم ہے مگر غالباً ۳۵۵ قبلِ مسیح پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک سوداگر تھا اور اُس نے اس کی پرورش بھی اپنے پیشہ کے مطابق کی ایک ناگہانی حادثہ سے جیسے سوداگروں کو اکثر پیش آیا کرتے ہیں وہ مفلس ہوگیا۔ اور اس نے فلسفہ کی تحصیل شروع کی۔ مختلف مقامات میں مختلف فلسفیوں کے لیکچر سُنے۔ مگر کسی سے اطمینان کلی نصیب نہ ہوا۔ آخر خود بیس برس کی محنت شاقہ کے بعد حق کی تلاش کرتے کرتے اُس نے اپنی ایک جدا تعلیم اختیار کی۔ زینو نہایت کمزور اور منحنی سا آدمی تھا۔ اور اس کے چہرے سے تفکر ظاہر ہوتا تھا۔ نہایت پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے کے بعد ۹۸ برس کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کے ہم وطن اس کی بے انتہا عزت کرتے تھے اسکی تعلیم عملی زندگی کے مطابق تھی۔ یعنی آدمی کا بڑا مقصد صحیح عقل کے مطابق بسر کرنا ہے۔ نیکی یعنی کمالِ انسانیت صرف دانائی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ صرف نیکی ہی خوشی کی بنیاد ہے۔ تمام نیک کام یکساں نیک ہیں۔ اور تمام بُرے کام یکساں بُرے ہیں۔ نفسانی جذبات کو مغلوب کرنا اور اُن سے آزاد رہنا کمال انسانیت ہے۔ اسکی شاگردوں نے اسکی تعلیم کو بہت پھیلایا۔ کیونکہ اسکی تعلیم نہایت پسندیدہ اور نہایت ہر دلعزیز تھی ۲۶۳ قبل مسیح وفات پائی ۱۲

طرف توجہ کرتی ہے اور ہمارے پیچھے دوڑتی ہے۔ اے خوشی تو بھی ایسی ہی دھوکہ دینے والی ہے جیسے وہ سکون جو طوفان کے آنے سے پہلے عالم پر چھا جاتا ہے۔ تو بھی طوفان کی تبسم کن بیٹی یعنی قوس و قزح کے مانند خوشنما ہے۔ لیکن صحرا میں سراب کی طرح تو ہمیں اس دھوکے میں رکھتی ہے جسکو فاصلہ زیادہ کرتا ہے اور قرب مٹا دیتا ہے۔ تاہم بغیر تلاش کئے اکثر تو میسر آجاتی ہے۔ اور جب تیری کوئی توقع نہ ہو تو تو آن موجود ہوتی ہے۔

جو لوگ نہایت سرگرمی سے خوشی کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اُن سے وہ کوسوں بھاگتی ہے۔ کیونکہ وہ اُسے وہاں ڈھونڈھتے ہیں جہاں وہ ہوتی نہیں۔

انتھنی[۵۱] نے اسکو محبت میں ڈھونڈھا۔ بروٹس[۵۲] نے جاہ و جلال میں۔ اور سیزر[۵۳] نے حکومت میں۔ لیکن پہلا بے عزت ہوا۔ دوسرا نفرت کیا گیا۔ تیسرا احسان فراموشی کا شکار ہوا۔ اور تینوں کے تینوں مایوس ہو کر بُری طرح ہلاک ہوئے۔

بعض پر وہ عنایت کرتی ہے مگر جب اُنہیں مزے میں غرقاب پاتی ہے تو فوراً لطف کی نگاہ کو بیرحمی سے بدل دیتی ہے۔ کسی کو وہ اپنی شیریں شراب کے جام پر جام دیتی ہے۔ اور

---

۵۱ انتھنی مصر کی ملکہ کلیوپٹرا کا سچا عاشق تھا۔ مسیح سے چالیس یا پچاس برس پہلے ہوا ہے ۱۲

۵۲ بروٹس ایک مشہور رومن ہے جو سیزر کے قتل میں شریک تھا۔ ابتدا میں اسکو سیزر سے بڑی محبت تھی اور اُس کا دلدادہ دوست تھا۔ سیزر بھی اس پر پورا اعتماد کرتا تھا مگر اُس نے قومی جوش میں آکر سیزر کے خلاف سازش کی اور اسکو قتل کرایا مگر پھر لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور وہ ایک نہایت ذلت کی موت مرا۔

۵۳ سیزر روم میں سو برس قبل مسیح پیدا ہوا۔ نہایت فیاض اور سخی تھا۔ بہادری میں شہرۂ آفاق تھا۔ بہت سے فتوحات اپنے مخالف لوسپی پر حاصل کرنے اور اسکو کئی جگہ شکست دینے کے بعد اُس نے روم میں ایک خود مختار حکومت قائم کرنی شروع کی۔ اس کی عظمت اور شان و شکوہ ضرب المثل ہے۔ آخر بروٹس اور دیگر سازش کرنیوالوں نے اسکو سینیٹ کے دربار میں ۴۴ برس قبل مسیح مار ڈالا ۱۲

اسکو اتنا مدہوش کرتی ہے کہ اس کی عقل زائل ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وُہ اپنے آپ کو مخلوقِ خدا سے بالا تصوّر کرنے لگتا ہے۔ پھر اُس کو اس حد پر چھوڑ کر پستی کی طرف دھکا دیتی ہے۔ حتّیٰ کہ وُہ تحت الثّریٰ میں پہنچتا ہے۔ کبھی کسی پر اُس برقِ تبسّم سے حملہ کرتی ہے۔ جس کا شکار نپولین[1] ہوا۔ اور اپنے دیوانہ کو ایسی اداؤں سے بہاتی ہے جو روشن چہرہ والا چاند بھی اپنے شیفتہ چکور کے واسطے اپنے ٹھنڈے نُور میں نہیں پیدا کر سکتا۔ مگر یہ سب کچھ لُطف و شفقت اُس عقدۂ غضب کا پیش خیمہ ہے جس کا ظہور اس کی عادت میں داخل ہے۔ اور یہ کرم کی نگاہیں آثار ہیں اُن فراق کے تیروں کے جن کا مزہ وہ چکھانے والی ہوتی ہے۔ تاہم زمانہ اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اور اسکو ملکہ جانتا ہے۔ جذبات اس کے غلام ہیں اور اس کے دربار میں دست بستہ اُس کے حکم کے منتظر کھڑے رہتے ہیں۔ اور اس کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ اُس کے گرد بھی بڑے بڑے بادشاہوں کی طرح اُمرا۔ وزرا اور ارکینِ سلطنت کی ہر وقت بھیڑ لگی رہتی ہے۔ اور اس لئے اسکی حضوری میں رسائی اور اُس سے ہمکلامی نہایت ہی مشکل ہے۔ جاہ طلبی۔ حرص۔ محبّت۔ انتقام سب کے سب اُس کے اِدھر صرف اُس کے متلاشی کھڑے رہتے ہیں۔ مگر افسوس نہ اُن کی رسائی اُس تک ہو سکتی ہے اور نہ وُہ خود اُن تک آ سکتی ہے۔ لیکن وُہ ان کے پاس اپنے ادنیٰ اور ذلیل ایلچی بھیجتی رہتی ہے۔ جاہ طلبی کے پاس طاقت کو۔ حرص کے پاس دولت کو۔ محبّت کے پاس رقابت کو۔ انتقام کے پاس پشیمانی کو۔ مگر افسوس یہ سب کیا ہیں؟ محض مایوسی کی دوسری صورتیں ہیں! نہ خوشامد سے نہ رشوت سے اُسکو پھسلایا جا سکتا ہے۔ مگر ہاں اُس کے حصول کا بہترین ذریعہ اُس کے دشمنوں کے ساتھ معرکہ آرائی کرنا ہے۔ کیونکہ خود اسکو براہِ راست خوشنود کرنا ممکن الوقوع نہیں۔ وُہ لوگ جو اُس کے دشمنوں پر فتحیاب ہوتے ہیں۔ انہیں اُس کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ وُہ خود ان کے پاس

[1] نپولین فرانس کا مشہور بادشاہ اور یورپ کا فاتح جزیرہ کورسیکا میں تاریخ ۱۷۶۹ء میں پیدا ہوا ۱۲

وڈی آتی ہے۔

اگر وہ کسی اور طرح حاصل ہو سکتی تو سب سے پہلے بادشاہوں کا حصہ ہوتی۔ کیونکہ اُن سے زیادہ اُس کے طالب اور لوگ نہیں ہوتے۔ اور وہ اتنی قدرت بھی رکھتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ قیمت دیکر اُسے حاصل کر سکیں۔ لیکن وہ بادشاہوں کا بھی اتنا ہی لحاظ کرتی ہے جتنا انکی رعایا کا۔ اور اُن کے محلوں میں صرف اپنے نقیب مثلِ شان و شوکت جاہ و جلال۔ ساز و سامان وغیرہ کو بھیجکر اپنی آمد کا اُنہیں منتظر رکھتی ہے مگر جاتی کبھی نہیں۔ آخر کیوں؟ کونسی چیز اُسے روکتی ہے؟

اوہ۔ اوہ وہ تو قناعت کی شیدا ہے۔ اور ہمیں مل کر اس کی ملاقات کو ہمیشہ جایا کرتی ہے۔ کہ تنہائی میں اُس کی صحبت کا لُطف اُٹھائے اور جنگل کی جھونپڑی کے اندر اُس کی نباتات کی دعوت میں اُس کے ہم نوالہ و ہم پیالہ ہو۔

تو ہاں اے ملکہ۔ میری سچی اور سنجیدہ باتیں سُن۔ بادشاہ ایسی باتیں کم سُنا کرتے ہیں۔ لیکن تو سُن۔ مَیں نہ تجھ سے قطعی نفرت کرتا ہوں اور نہ تیرا دیوانہ ہوں۔ تیرا لُطف عارضی ہوتا ہے۔ اور تیری بخشش تیری سلطنت کے اندر ہی اندر محدود ہوتی ہیں۔ تو بھی اور بادشاہوں کی طرح دوسروں کا سہارا تکتی ہے اور انکی طرح اگر تو بھی اپنے سہارے سے محروم کر دی جائے تو تو اپنے آپ کو بھی نہیں سنبھال سکتی۔ اگر قناعت تیرا ایک ہاتھ پکڑ کر اور تندرستی دُوسرا ہاتھ پکڑ کر تجھے سہارا نہ دیں۔ تو تو ایک نکمے اور فضول جسم کی طرح زمین پر گر پڑے"۔

(ترجمہ)

لطیف احمد پانی پتی

کوکبۂ ملوکی و ملوکی (مؤلفہ مولوی سید ضمیر الدین صاحب احمد آنریری مجسٹریٹ پٹنہ) اسمیں ہندوستان کے فرمانروایان مملوک و خلجی کے تاریخی کارنامے مندرج ہیں۔ مولوی صاحب نے اِس تاریخ کو دلچسپ بنانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ زبان اِس کتاب کی سلیس و پاکیزہ ہے۔ لکھائی چھپائی بھی نفیس ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ)۔ مولوی ابو الحاصل صاحب لودی کٹرہ پٹنہ کے پتہ سے مل سکتی ہے۔

موسیقی

سوائے حُسن کے جہان بھر میں غالباً کسی شے کو وُہ قبولیتِ عام حاصل نہ ہوگی جو موسیقی کو حاصل ہے۔ جدھر نظر ڈالئے جہاں دیکھئے قلبِ انسانی اس پر فریفتہ و شیفتہ نظر آتا ہے۔ پتھروں کے پگھل جانے پہاڑوں کے ٹل جانے اور خود بخود آگ لگ جانے کے قصّے غلط سہی مگر اس میں کچھ کلام نہیں کہ موسیقی کا جادو نہ صرف انسان پر بلکہ تمام جانداروں پر چلتا ہے۔

موسیقی کی بناوٹ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکے اجزاء آواز کی ایک خاص قسم کی چال (جس کو "لَے" کہتے ہیں) حصّہ ہائے آواز کی ایک خاص ترتیب (جسے "تال" کہتے ہیں) اور خود آواز (جس کو "سُر" کہتے ہیں) ہیں۔ پہلے دو اجزا عقلِ انسانی کی صنعت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں اور اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حُسن بزورِ ہنر صرف اور چیزوں میں پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ آواز میں بھی اُس کا ظہور ممکن ہے۔ یہ وُہ حُسن ہی جس کا احساس جاہل سے جاہل شخص اور بیدل سے بیدل انسان کو ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہی کہ صاحبِ فہم اس احساس سے زیادہ لُطف اُٹھاتا ہے اور یہ مقابلۃً کم۔ "سُر" موسیقی میں وُہ چیز ہے جو دراصل موسیقی کی جان ہے اور جس کے بغیر موسیقی موسیقی نہیں۔ غور سے دیکھئے تو یہ "سُر" "تاثرِ قلبی" کا ہو بہو عکس ہے۔ کسی موسیقیانہ آواز کو آنکھیں بند کرکے دھیان لگاکر سُنئے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اپنے دل کا حال مُوبمُو آپ سے کہہ رہا ہے۔ کبھی کسی رنج کو یاد کرکے آہ کھینچتا ہی جس کو سُنکر آپ بھی بیتاب ہو جاتے ہیں۔ کبھی کسی لُطف کو یاد کرکے قہقہے لگاتا اور خوش ہوتا ہے جس کے اثر سے آپ کا سارا غم و الم دم بھر میں کافور ہو جاتا ہے۔ موسیقی کے ایجاد کرنے والوں کی قدرت اور وسعتِ خیال پر نظر کرکے حیرت ہوتی ہے کہ "تاثّر" سی لطیف چیز کو

تقسیم کرکے کس کس انداز سے ترتیب دیا ہے اور کس طرح ایک قطرے کو دریا بنا دیا ہے۔
موسیقی کا اثر دو طرح کا ہے۔ ایک تو وہ جو تال اور لَے سے ظہور میں آتا ہے۔ یہ اثر عام و خاص دونو پر پڑتا ہے۔ دُوسرا وہ جو مختلف سُروں کی کیفیات کی وجہ سے طاری ہوتا ہے۔ اس کے لئے ذرا صاحبدل ہونا ضروری ہے۔ ناٹک کے گانے مجلس عزا کے سوز، عشق و محبت کے گیت سب اپنی تاثیر کے لئے سُروں کے محتاج ہیں اور اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ موسیقی جب ان جذبات کے ساتھ مل جاتا ہے تو جذبات کی تصویر اُترتا تو ایک طرف نقل کی کیفیت اصل سے بڑھ جاتی ہے۔

یُوں تو موسیقی کس ملک اور کس قوم میں نہیں۔ مگر جو بات ہندوستانی موسیقی میں ہے غالباً کسی میں نہیں۔ اسکا کمال اس کے باریک باریک امتیاز اس کی سچی اور اثر میں ڈوبی ہوئی کیفیات اس کی تال کی پُرلطف پیچیدگی اس کے لے کا لوچ اور تڑپ یہ سب وہ چیزیں ہیں جن کا نشان یورپ کے ترقی یافتہ موسیقی میں کہیں نہیں ملتا۔ بلاشبہ یورپ کا موسیقی ابھی ترقی کی دَوڑ میں بہت پیچھے ہے اور اس لائق ہے کہ سالہا سال ہندوستانی موسیقی کے سامنے زانوئے ادب تہ کرے۔

ایک غلط سا خیال عام طور سے موسیقی کی قدیم مقررہ طرزوں کی نسبت پھیلا ہوا ہے وہ یہ کہ ان میں سے ہر ایک طرز کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس خیال کا باعث وہ طرزیں ہیں جو صبح کی چیزیں کہلاتی ہیں۔ ان طرزوں میں مایوسی درد اور تفکر بہت زیادہ ہوتا ہے اور صبح کے وقت انکو گانے سے ان سب کا اثر اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اوقات پسند گروہ اسی پر قیاس کرکے کہہ دیتا ہے کہ یہ چیزیں صبح سے مخصوص ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔ موسیقی کو اوقات سے کوئی ایسا تعلق نہیں۔ اگر ہے تو اتنا کہ بعض بیحد افسردہ طرزیں سوائے سکون اور سکوت کے عالم کے کسی دُوسرے وقت نہیں کھلتیں اور سکون و سکوت کی موجودگی ہر طرز

کے لئے باعثِ فروغ ہے۔ چاہے سکوتِ صبح کو ہو، دوپہر کو ہو یا آدھی اور پچھلی رات کو۔ یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ آدھی رات پچھلی رات اور تڑکے کی چیزیں کسی اور وقت میں وہ لطف نہیں دیتیں جو مذکورہ اوقات پر دیجاتی ہیں۔ اِس لئے کہ وہ چُپ چاپ وقت ان دھیمی چیزوں کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ مگر یہ امر ہرگز ماننے کے قابل نہیں کہ دن کی چیزیں بھی اسی طرح رات کو کبھی نہیں کھلتیں۔ ہندوستانی بتغیرِ طرز کبھی اس بات کی پروا نہیں کرتے اور جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ کہتے ہیں کہ یورپ کے موسیقی میں شادی اور غم کے لئے الگ الگ طرزیں مخصوص ہیں۔ ہندوستانی موسیقی میں بھی اس قسم کا امتیاز ممکن ہے مگر بہت مشکل۔ ہندوستانی موسیقی وہ بیش قیمت زربفت ہے جس میں شادی و غم کے گنگا جمنی تار کچھ اس طرح پیوست ہوتے چلے گئے ہیں کہ ایک تار کو دوسرے تار سے الگ کر دکھانا اعجاز سے کم نہیں۔ بس ممکن ہے تو صرف اسقدر کہ بعض چیزیں زیادہ افسردہ نظر آتی ہیں اور بعض چیزیں زیادہ شگفتہ معلوم ہوتی ہیں۔ اس افسردگی اور شگفتگی میں تال کا بہت بڑا دخل ہے۔ یہ تال وہ چیز ہے کہ خاص افسردہ سُروں سے اگر اس کو چسپاں کر دیں تو ان کی افسردگی تک نسبتاً منسیّا ہو جاتی ہے۔

ہندوستانی موسیقی کے کمال کا باعث وہ عظیم الشان تاثر ہے جس کا وجود ہندوستان کے مشہور فلسفے میں پایا جاتا ہے۔ اس موسیقی کی بعض بعض طرزیں ایسی ہیں کہ انسان کو مرغِ بسمل کی طرح تڑپا دیں یا دریائے تحیّر و تفکّر میں اس قدر غرق کر دیں کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہ رہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جس کی وجہ سے بعض اکابرِ ملت نے اشغالِ موسیقی کو ممنوع ٹھہرایا ہے۔ اور اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ ہر شخص کو اس آتشِ سیّال کا استعمال راس نہیں آتا۔ اُمرا جنکو سب کچھ حاصل ہے اور صلحا جو درد کے بڑھنے کو درد کا علاج جانتے ہیں۔ ان اشغال میں انہماک رکھیں تو مضائقہ نہیں۔ عوام الناس کو اور اُن عوام الناس کو جو ہزاروں دبی آرزوئیں دلوں میں لئے ہوئے ہیں موسیقی کی ہوا سے بچنا چاہیے ورنہ موسیقی دبی ہوئی آگ کو بھڑکا دیگا اور اسکا انجام عشق و دیوانگی ہو گی۔

سید نذیر حسین

شاہون کا گورستان

ہماری دہلی بائیس خواجہ کی چوکھٹ کہلاتی ہے۔ مگر دنیاوی اعتبار سے بھی بائیس شاہوں کا مخزن ہے۔ اس کی خاک میں ہزاروں مراد مند نامرادی کی شان سے بے خبر سوتے ہیں۔ اندرپت کی زمین جس پر قلعہ دین پناہ کی عظیم الشان مگر بوسیدہ دیواریں سایہ ڈالتی ہیں۔ ہندو شہنشاہوں کی خاکستر سے ڈھکی ہوئی ہے۔ ہر ذرّہ میں کورو پانڈو اور اُن کے بعد کے سورماؤں کا خون چمکتا نظر آتا ہے۔ یہاں سے چھ سات کوس آگے بڑھ کے دیکھو قطب مینار چپ چاپ اپنے مُسلمان بانیوں کی خواب گاہوں کی دربانی کر رہا ہے۔ شمال مغرب کے گوشہ میں فقیر دوست شمس الدین التمش سُرخ رنگ کے منقش مقبرہ میں خاموش لیٹا ہے۔ سرہانے شارع عام ہے۔ رات دن گاڑیاں وغیرہ آتی جاتی ہیں اور ایک غل شور برپا رہتا ہے۔ مگر ہمارے شہنشاہ ہند کو ذرا ناگوار نہیں گذرتا۔ جنوب کی طرف غور تو ناک منظر ہے وہاں نہ جاؤ۔ یہ اونچی اُونچی۔ کُھٹی۔ چار دیواری سکندر ثانی علاء الدین خلجی کا گورخانہ ہے۔ اور اس کے گرد جو اور دو چار مٹے مٹے نشان نظر آتے ہیں اُن میں شاید خضر خاں شادی خاں سلطان کے شہید فرزند اور قطب الدین خلجی کی ہڈیاں ہونگی۔ افوہ۔ نہ یہاں قبر کا نشان ہے نہ تعویذ کا پتہ چند گڑھے ہیں اور گُنجان و سرنگوں جھاڑیاں آس پاس جدھر دیکھو چونہ سے چمٹے ہوئے پتھروں کا ڈھیر نظر آتا ہے۔

یہ جو سامنے بہت سی کوٹھریاں ہیں۔ یہاں مدرسہ تھا کیونکہ اس زمانہ میں ہر بادشاہ کی قبر کے پاس ایک مدرسہ ہوتا تھا جہاں دین و دنیا کے علوم پڑھا کر مرحوم بادشاہ کو ثواب پہنچایا جاتا تھا۔ قطب مینار کے شرق میں خانقاہوں اور محلات کے شکستہ آثاروں کو پھلانگتے ہوئے ذرا

آگے چلے چلو - وہ دیکھو نیک دِل غلام بادشاہ غیاث الدین بلبن کی شق شدہ مسہری نظر آتی ہے
اِسی کے برابر لاڈلا شہزادہ محمد خاں شہید آرام کرتا ہے - یہ نشان بھی کچھ دم کا مہمان ہے عنقریب
ٹوٹ پھوٹ کر مٹنے والا ہے - کیسا سناٹا ہے - کہ اچھے بچھے آدمی کو خفقان ہو جائے - انہی
کھنڈروں میں تلاش کرو تو اور بھی کئی بادشاہ بے غل و غش سوتے نظر آئینگے - دو میل کے
فاصلے پر تغلق آباد ہے - یہاں غیاث الدین تغلق اور محمد تغلق بیکسی کے عالم میں بیخود پڑے
ہیں - یہ تنہائی یہ سکوت - یہ سنسان جنگل - اور بالکل ویران مقام محمد تغلق نے کیونکر پسند کیا -
اسے جگا دو شاید اس کو اپنی حالت کا علم نہ ہوگا -

فیروز تغلق کے احسان نامے[۱] سرہانے کے محفوظ صندوق میں دفن ہیں مگر محمد تغلق
انکو بھی نہیں دیکھتا -

اِن سب نظاروں کے بعد ذرا نئی دہلی کی طرف دو میل بڑھ جاؤ - شاہراہ سے ایک
میل غرب میں سُلطان فیروز شاہ کا مقبرہ چند خوبصورت تالابوں کے بیچ میں گردن اُٹھائے
دیکھ رہا ہے - برسات کا موسم ہو اور چوٹ کھایا ہوا دل - پھر یہاں کے زمرد کے کٹوروں
میں موتی سے پانی کا چمکنا دیکھے - اور دیکھتا دیکھتا ہمارے شوقین شکاری بادشاہ
کی قبر پر چلا جائے - گنبد میں ابابیلوں کے بولنے کی صدا - اور فرش پر مزار کے بالکل
متصل حقہ نوشی کے سامان - اُپلے کی راکھ کا انبار - اور ایک دو ٹوٹی پھوٹی چارپائیاں
بھی - دیکھے اور جی ہی جی میں مزے لے -

اس مقبرے کے سامنے نہائت عظیم الشان حوض ہے اور اس کے کنارے پر

[۱] محمد تغلق نے جن لوگوں پر ظلم کئے تھے اُن کے وارثوں کو فیروز تغلق نے کچھ دیکر رضامند کر لیا تھا - اور معافی نامے لکھوا کر محمد تغلق کے سرہانے ایک صندوق میں دفن کرا دیئے تھے جو غالباً اب تک ہیں - دیکھو فتوحاتِ فیروز شاہی -

فیروز کے مدرسہ کا دارالطلبہ (بورڈنگ ہوس) اس دارالطلبہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ صدیاں پہلے مسلمانوں نے کس عمدگی سے طلبہ کی رہائش کا انتظام کیا تھا۔

غرضکہ اسی طرح سید اور لودھی بادشاہوں کے مقبرے افسوسناک کسمپرسی کی حالت میں پڑے ہیں۔

لارڈ کرزن نے اگر سلوک کیا تو مغلوں کی عمارتوں کے ساتھ کیا۔ مگر اچھا ہوا کہ مذکورہ گورستان کو ہاتھ نہ لگایا ورنہ جاہ طلب بادشاہوں کے لئے دہلی میں عبرت کا کوئی ذریعہ نہ رہتا *

حسن نظامی

کسی عنواں صبر آتا نہیں مجھ ناشکیبا کو
الٰہی کیا کروں اس خاطرِ محوِ تمنا کو

کرے ناحق نہ یوں بدنام میرے شوقِ رسوا کو
ذرا سمجھاؤ اپنے حسنِ رسوائی تقاضا کو

نہ تھی واقف جو میرے اشتیاقِ بے نہایت سے
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں اس نگاہِ بے محابا کو

فراقِ یار کی بیتابیاں بھی لطف رکھتی ہیں
گوارا کر دیا نسبت نے ان کی ناگوارا کو

وہ خوابِ ناز میں تھے اور نہ تھے ہمیں شوقِ پابوسی
نہ سمجھی پستیِ ہمت تری اس لطفِ ایما کو

تمہیں بھی یاد ہوگا وہ زمانہ عیشِ ماضی کا
تمنا چاہتی ہے پھر اسی لطفِ تماشا کو

بھر آئے اشک دور افتادگانِ بزمِ ساقی سے
مے رنگیں سے خالی دیکھ کر آغوشِ مینا کو

نگاہِ شوق میں چمکا دیا ہے اور بھی۔ ظالم
ترے ظلمِ نمایاں نے ترے حسنِ خود آرا کو

عیاں سب حال ہو جاتا ہماری بیقراری کا
وہ خود بھی دیکھ سکتے کاش اپنے نازِ یکتا کو

کہے ناصح نہ پھر رنگینیِ جنت کے افسانے
کبھی گر دیکھ لے اس نازنیں کے روئے زیبا کو

چھپائے سے کہیں آثار چھپتے ہیں محبت کے
نہ دو الزام میرے اضطرابِ آشکارا کو

گذاری عمر شغلِ عاشقی میں مرحبا حسرت
نہ پاس آنے دیا غمہائے بے پایانِ دنیا کو

محبّت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی ناآشنا خم سے
ستارے آسماں کے بے خبر تھے لذتِ رم سے

قمر اپنے لباسِ نو میں بیگانہ سا لگتا تھا
ابھی واقف نہ تھا گردش کے آئینِ مسلّم سے

ابھی امکاں کے ظلمت خانے سے اُبھری ہی تھی دُنیا
مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے

کمالِ نظمِ ہستی کی ابھی تھی ابتدا گویا
ہویدا تھی نگینے کی تمنا چشمِ خاتم سے

سُنا ہے عالمِ بالا پہ کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھکر ساغرِ جم سے

لکھا تھا عرش کے پایہ پہ اک اکسیر کا نسخہ
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ لوحِ آدم سے

نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیا گر کی
وُہ اِک نسخہ کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے

بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
تمنائے دلی آخر بر آئی سعیِ پیہم سے

پھر آیا فکرِ اجزا نے اُسے میدانِ امکاں میں
چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کی محرم سے

چمک تارے سے مانگی چاند سے داغِ جگر مانگا
اُڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے

تڑپ بجلی سے پائی حُور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفسہائے مسیحِ ابنِ مریم سے

ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی اُفتادگی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکّب نے محبّت نام پایا عرشِ اعظم سے

ہوس نے یہ پانی ہستی نوخیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہنر نے گویا اس کے کارِ عالم سے

ہوئی جنبش عیاں - ذرّوں نے لُطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اُٹھ اُٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے

خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چمک غنچوں نے پائی داغ پائے لالہ زاروں نے

ترکیب

لوازمِ شاعری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

بیاں ہیں اُن کے اثر خیز لفظ سب شیریں
کہ جن کے سُنتے ہی سامع کو جوش ہو پیدا

نمک کلام میں آتنا کہ اہلِ ذوق ہوں خوش
بلیغ اصل مضامیں سلیس طرزِ ادا

بعینہٖ مگر اُن کی ضرور کیا تقلید؟
کہ مقتضے بھی تو ہر ایک مُلک کا ہے جُدا

ہر ایک چیز کو اس کی جگہ پہ غور کرو
کہ مقتضائے طبعی ہے اُس جگہ کا کیا؟

یہاں کا ذوقِ سلیم اس کو جب کرے تسلیم
تو ویسی بات کی تقلید ہو سکے گی روا

وُہ شے تو خوب ہو لیکن بحالتِ تقلید
وُہ رنگ و روپ سلامت نہ رہ سکے بھلا

مزید یہ کہ نہ ہو مقتضائے طبعی مُلک
پھر اہلِ ذوق بھی اس کا اُٹھا سکیں نہ مزا

اتارنے کو اتارے اس اصل کی یوں نقل
کہ اصل شے کا بھی بالکل بدل گیا نقشا

تو ایسی نقل کا حاصل نہیں بجز اس کے
کہ اصل شے سے بھی ہو اہلِ ذوق کو ابرا

رہی یہ بات کہ اُردو کی نظم کیسی ہو
کہ خاص و عام کے دل پر اثر کرے پیدا

تو اس میں رائے وہی صاف صاف ظاہر ہے
سیاقِ نظم کو دیکھو میں کہ رہا ہوں کیا

مذاقِ مُلک کو سمجھے ضرورتیں دیکھے
کرے وُہ امر جو ہو مقتضائے زمانے کا

محاوروں میں دل آویزی و متانت ہو
مفیدِ خلق ہو مضمون و حاصلِ معنیٰ

بیاں کرے جو کوئی بات نظم میں اپنی
تو اصل حال کی تصویر کھینچ دے گویا

طریقِ نظمِ سخن کا وہ اختیار کرے
کہ مان لیں اُسے طرزِ قدیم کے شعرا

غزل میں صرف کرے حسن و عشق کے مضموں
نصیحتیں بھی رہیں گو نہ اُس کے ہوں شیدا

یہ حسن و عشق مجازی نہ ہو حقیقی ہو
نہ جیسے عبادتِ روحی سمجھتے ہیں صوفا

اگر مجاز کا پہلو بھی ہو تو ایسا ہو
کہ اہلِ حال کے دل پر ضرور ہو افشا

جو ہوں ادب کے مخالف وہ لفظ ترک کرے
پھرے نہ کوچہ عرفاں میں آکے بے سر و پا

مجاز کے لئے جو بات ہو فقط شایاں
کسی طرح سے حقیقت کو وہ نہیں ہو روا

غزل میں صرف کرے حکمتِ الٰہی کو
نہ یہ کہ طائفہ داروں کا نظم ہو نخرا

سلیس لفظوں میں لے آئے فلسفی مضموں
کرے مسائلِ عرفاں محاورے میں ادا

کہاں مسائلِ حقانیت کہاں وہ روش
کہ جس کو پڑھ کے ہو پیدا خود اپنے دل میں حیا

یہ مانتا ہوں کہ اگلوں نے یوں کہا ہے مگر
تتبع اُن کا اسی میں کرے ضرورت کیا

بیان اصلِ حقیقت کرے مگر کیونکر
کہ ہو مجاز کا ہلکا سا بیچ میں پردا

علاوہ اس کے قصیدوں میں کیا ضرورت ہے
کہ ہر امیر کو کہدیں سکندر و دارا

بخیل اصل میں وہ ہو مگر بحکم طمع
بنائیں نظم میں ہم اُس کو حاتم و کسرا

نہ اُس کے دل پہ اثر ہو نہ اپنے دل میں اثر
نتیجہ یہ کہ ہنسیں دیکھ دیکھ کر عقلا

ازاں قبیل سمجھ لو بہت سی باتیں ہیں
کہ جنکو پڑھتے ہی بیزار ہوگا ہر دانا

اثر زیادہ ہو سامع پہ نثر کی نسبت
اسی لیئے ہے فقط شعر و شاعری کی بنا

خلافِ فطرت و انسانیت ہو جو مضموں
تو اُس میں قوتِ جذبِ قلوبِ خلق کجا

کچھ اُن سے بحث نہیں جو نہیں ہیں داخلِ بحث
کلام ہوتے ہیں جنکے ہمیشہ بے سر و پا

غرض مری ہے اُن ایسوں سے ہیں جو فہمیدہ
سمجھ کے چلتے ہیں وادیِ نظم کا رستا

بہت سے ان میں ہیں طرزِ قدیم کے عاشق
بہت سے اُن میں ہیں طرزِ جدید کے شیدا

بہت سے وہ ہیں کہ جنکی غرض یہی ہے صرف
محاوروں میں فقط شوخیاں کریں پیدا

تو دست بستہ مری عرض ہے قصور معاف
کہ اب زمانے نے بدلا ہے اور پیرایا

میں برخلاف نہیں شاعری کے بلکہ اِسے
کئی فنوں سے سمجھتا ہوں شرف و اعلا

بشرطِ آنکہ نتیجے ہوں شعر کے معقول
نہ یہ کہ سلسلہ اس میں فقط ہو لفظوں کا

ہو استعاروں کی فرضی بناؤں کی بھرمار
اُن استعاروں میں ایہام کار ہے پردا

کہ جس کو سُنکے تعجب تو ہو اثر ہو خلاف
کہے یہ عقل کہ ان کاوشوں کا حاصل کیا؟

فراق و وصل و گل و بلبل و بہار و خزاں
جنون و عشق و جفا و وفا و ناز و ادا۔

کمالِ حُسن و دل آویزیِ کرشمۂ حُسن
جنُونِ عاشق و جوشِ زمانہ سودا

ریا بھرے ہُوئے پند و نصائح واعظ
شرابِ و ساقیِ مہرو و ساغر و صہبا

قصور و حور و جن و انس و آسمان و زمیں
بہشت و دوزخ و رندی و توبہ و تقوا

یہ سب اگر ہوں مناسب جگہ پہ مستعمل
اساتذہ نے کیا اِن کو جس طرح املا

اساتذہ بھی وہ عارف جو اپنے وقت کے تھے
غرض کچھ اَور نہ تھی جنکی معرفت کے سوا

تو شاعری نہیں اک قسم کی عبادت ہے
اسی کا نام ہے مرقات مصعد اعلا

جو اس طرح کے مضامیں ہیں صاف کھلتے ہیں
ہزار ڈھانکیے اُنپر مجاز کا پردا

مگر جو اس کے مخالف ہے نیتِ شاعر
تو اُس کے شعر سے ہوتا ہے خود بخود پیدا

کہ معرفت نہیں یہ ہے فقط ہوسناکی
کجا مسائلِ حقانیت یہ طرز کجا

وُہ شعر کیا؟ کہ بزرگوں کے سامنے جو پڑھیں
تو اس کی شوخیِ مضمون سے خود ہوں میں حیا

کہیں اُبھار جوانی کا شعر میں ہو نظم
کہیں دوپٹے کا آنچل کسی جگہ انگیا

مرے زمانے میں اخلاق سوز کیوں ہے یہ فن؟
نفاق و کبر میں بدنام کیوں ہُوئے شعرا؟

ہر اک زباں پہ ہے بانگِ انا و لاغیری
کسی کا کوئی مُعرّف نہیں ہے اپنے سوا

غضب یہ ہے کہ ریاضت کے بعد بھی اکثر
ہے سب میں عیب کم و بیش خود پسندی کا

ہے شاعروں کو گوّیوں کی طرح طعن سے کام
اگر کرینگے ثنا بھی تو اس میں ہوگی ریا

سبب یہ ہے کہ ہوا جہل آگے عالمگیر
کیا دلوں کو تعصب نے مبتلائے بلا
صفائی قلب سے کوسوں الگ ہوا یہ فن
ہر ایک ہو گیا کبر و نفاق کا پتلا
بس انتہا ہے یہ اس کی کہ غیر تو ہیں غیر
جو دیکھیے تو مخالف ہے باپ سے بیٹا
خدا کرے کہ مری قوم سے ہو دفع یہ بات
کسی طرح نہ رہے شاعروں میں کبر و ریا
یہ اپنی رائے ہے ظاہر کیا جسے ورنہ
کسی پہ جرح سے مطلب نہیں ہمیں بخدا
یہی خیال ہے چالیس سال سے دل میں
اگرچہ من کجا و شعور شعر کجا

علی محمد شاد

ترجمۂ اینک آرڈن

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

جب صبح بلانے منہ دکھایا
بشاش رہا وہ صورت گل
فرقت کا ملال جو تھا جی میں
تھی اسکو نہ اور کوئی بھی فکر

رخصت کا وقت سر پہ آیا
مردوں کی طرح کیا تحمل
وہ ٹال گیا ہنسی ہنسی میں
انی کو ملال ہو یہ تھی فکر

لیکن اسپر بھی بہ پیش غفار
شرط طاعت بجا وہ لایا
اس حد میں جب آگیا کہ ہو آں
کی حق سے دعا کہا خدایا
لیکن بچے یہ اور بی بی

مانند بہادران دیندار
سر کو رہ عجز میں جھکایا
[1] "انساں ہیں خدا خدا ہیں انساں"
جو چاہے وہ ہو حشر میرا
دیتا ہوں امان میں تیری

[1] اس حد میں جب آگیا غم۔ مراد اس مقام راز سے ہے جہاں خدا اور بندے میں راز و نیاز ہونے لگتا ہے۔ اسی کی طرف مصرع ثانی میں اشارہ ہے۔ یہ مضمون بائبل سے شاعر نے اقتباس کیا ہے۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حسب حیثیت الوہیت و بشریت خدا اور انسان میں مشترک ہیں ۱۲

یارب انہیں مدام رکھنا
رحمت کی نظر مدام رکھنا
فارغ جب ہو چکا دعا سے
بولا اس صاحب حیا سے
"اینی یہ سفر جو اس نے چاہا
ہم سب کے لئے سعید ہوگا
دیکھو سب ٹھیک ٹھاک رکھنا
گھر کو صاف اور پاک رکھنا"
پلٹوں گا میں ایسے وقت پیاری
ہوگی نہ تمہیں خبر بھی جسکی"
جھولے کیطرف یہ کہکے آیا
آہستہ سے بیٹے کو اٹھایا

....

بولا کیا وہاں پہ ہو یہ
"کیسی ننھی سی جان ہے یہ"
لیکن اسی ضعف کے سبب سے
ہے مجھ کو عزیز تر یہ سب سے"
اللہ چڑھائے اسکو پروان
پلٹونگا گھر کو جب میں اُس آن"
آغوش میں بیٹھیگا یہ آکے
میں حال سفر کہوں گا اس سے"
ہر طرح سے خوش اُسے کروں گا
ہر ملک کی داستاں کہونگا"
فی الحال تمہیں بھی اور اُسے بھی
دیتا ہوں امان میں خدا کی"
پیاری نہ کڑھاو اپنا جی اب
رخصت کرو ہنسی خوشی اب"

....

دھارس کی یہ گفتگو ہوا کی
چپکی وہ غمزدہ سنا کی
دل کو ہر طرح سے سنبھالا
امید پہ غم کو اس نے ٹالا
لیکن جب اور ذکر آیا
پلٹا کچھ گفتگو نے کھایا
اینک کرنے لگا نصیحت
جیسی ہے سپاہیوں کی عادت ٥١
اللہ کا آسرا بتایا
تسلیم و رضا کا ذکر لایا

....

خاموش رہی کہا نہیں کچھ
کچھ اس نے سنا سنا نہیں کچھ
جیسے کوئی گانو کی اکیلی
بیٹھی ہوئی نہر پر اکیلی
رکھکر خالی گھڑا تہ آب
خود بحر خیال میں غرق تاب
ہو پیش نظر وہ یار جانی
جو بھر دیتا تھا اسکو پانی
حتی کہ گھڑا ابھر چھلک جائے
لیکن یہ منہ سے بھی اور سن پائے

....

القصہ سن کے ساری گفتار
گویا ہوئی یوں وہ آخر کار
"ہشیار رہو اور عقلمند ہو تم
سب سچ ہے بجا ہے جو کہو تم"
اینک ! ہر گز مجھے یہ کھٹکا
دیکھوں گی نہ میں تمہیں دوبارا"

....

اینک نے کہا "اگر دیں ہر
دیکھونگا تمہیں مجھے یقیں ہے"
"اینی ! پیاری ! جہاز میرا
اس دن کریگا یاں سے پھیرا"
ساحل پر آکے دور ہیں سے
اسدن مجھے دیکھنا کہیں سے"
دیکھو تاریخ یہ نہ بھولو
وسواس ہے کہ جس میں جی گو ٥٢"

....

وہ آخری وقت آخر آیا
منہ جبکہ فراق نے دکھایا
اینک کہنے لگا کہ "اینی !
للہ سنبھالو دل کو پیاری"
"اپنے جی کو بحال رکھو
بچوں کا بہت خیال رکھو"
"کیا کیجئے ہے ضرور جانا
لیکن جب تک ہو میرا آنا"

٥١ لفظی ترجمہ یوں ہوا ہے — ملاحوں کی طرز گفتگو میں ۱۲ ٥٢ لفظی ترجمہ یوں ہوا — اس وہم پر اپنے آپ ہنسنا ۱۲

ہر چیز کو ٹھیک ٹھاک رکھو — گھر شل جہاز پاک رکھو"
"ہونا غمِ ہجر سے نہ مضطر — ہر امر میں نظر خدا پر"
"لطف و کرم خدائے اکرم — ہے لنگر کشتیِ دو عالم"
گیا اسکا گذر نہیں وہاں پر — ہے جلوہ گہِ سحر جہاں پر[1]
"جاؤں بالفرض میں وہاں تک — اُس سے بھاگوں گا پر کہاں تک"
"دریا ہے اسی کا بحر اسی کا — ان سب کو اُسی نے ہے بنایا"

ماں نے جس دم جگانا چاہا — بیٹے نے اس کو باز رکھا
سوتے ہی میں کہ کے کیا پیار — سونے دو اسے کرو نہ بیدار"
بچہ ہے اگر ہوا بھی ہشیار — اس حال سے ہوگا کیا خبردار"
تب اپنی ذرا کی لٹ اسکی کاٹی — دی باپ کو بیٹے کی نشانی
لیکر وہ یادگار اینک — پاس اُس کے رہی جو ہر دم تک
اُٹھا دابا بغل میں بستر — رخصت ہوا الوداع کہکر

....

یہ کہ کے وہ نیک مرد اُٹھا — (پہلو سے مثالِ درد اُٹھا)
اُلفت سے گلے میں ہاتھ ڈالا — گرتی ہوئی اپنی کو سنبھالا
وحشت نے وہ بچوں کو کیا پیار — لیکن سوتا تھا طفل بیمار

ضامن کنتوری

دولت

مرا جاتا ہے پتلا خاک کا فکرِ معیشت میں — اڑی ہے سانس سینے میں دھری ہے جان دولت میں
جسے دیکھو اُسے سودا ہے دنیا میں امارت کا — لگا دیتا ہے اپنا نقدِ جاں بھی اسکی قیمت میں
مگر ہے جنسِ دولت کون سے بازار میں ارزاں — گراں سر مشتری اکثر پڑا رہتا ہے غفلت میں
کوئی کہتا ہے دولت صنعت و حرفت میں ملتی ہے — کوئی کہتا ہے یہ سودا ہے بازارِ تجارت میں

[1] جلوہ گہِ سحر سے مراد اقصائے مشرق (چین) جہاں اینک جاتا ہے۔ اس مضمون میں بائبل کے اس فقرہ کی طرف اشارہ ہے۔
"اگر میں صبح کے پر لگاؤں اور سمندر کے انتہائی سرے پر جا کے رہوں جب بھی تیرا ہاتھ میری رہنمائی کریگا۔"

کوئی کہتا ہو دولت دستِ قدرت سے نکلتی ہو / اُسی کے ہات چڑھتی ہو یہ اُڑتی جسکی قسمت میں
یہ باتیں کھوٹے سکّوں کی طرح خود چل نہیں سکتیں / مجازاً راست ہوں لیکن یہ جھوٹی ہیں حقیقت میں
جہاں لہو و لعب ہے واں کبھی دولت نہیں ہوتی / جُوئے میں ہو نہ بے بیلوں کے ہل میں یا زراعت میں
جو ہے مہماں سرائے عام وہ بھی گھر نہیں اسکا / عبث کھاتا ہو دھوکا میزباں اسکی سکونت میں
جہاں بزمِ حسیناں ہو جہاں روئے درخشاں ہے / وہاں دولت نہ معنی میں ہویدا ہو نہ صورت میں
کرن جوتی میں - ٹوپی میں جہاں سلمہ ستارہ ہے / وہاں بھی مہرِ دولت آ نہیں سکتا ہو طلعت میں
اُگلتی ہو زمیں دولت - نہ ہُن بنکر برستی ہے / یہ پھل لگتا ہے اے طالب فقط نخلِ ریاضت میں

حکایت برسبیلِ تمثیل

روایت ہو قدیمی اِس طرح ظاہر کتابت میں / کہ تاجر کا کوئی بیٹا تھا مشرق کی ولایت میں
وُہ تاجر خاندانی تھا پہ ننگِ خانداں بھی تھا / گھرانے کا بڑا تھا خود مگر تھا چھوٹی ہمّت میں
بزرگوں سے چلی آتی تھی ترکے میں جو عیاشی / لٹا دی جائداد اپنی جو پائی تھی وراثت میں
دُعا تھی یا الٰہی دے تو چھپر پھاڑ کر مجھ کو / کڑی چاندی کی سل ہو لعل لگ جائیں مری چھت میں
کوئی سونے کی چڑیا ہاتھ آجائے تو چاندی ہے / کہیں سیمرغ نا میسر ہو۔ کنارِ سیم طلعت میں
دُعائے غیر واجب نے نہ کچھ تاثیر پیدا کی / نہ اُبھرا ڈوب کر وُہ شخص دریائے فلاکت میں
کنارا کر گیا ساغر جو شیشہ ہو گیا خالی / نہ ٹھہرا ہم پیالہ ہم نوالہ کوئی صحبت میں
وفورِ غم میں تسکین دینے کو آنسو نکل آئے / یہی تھے دوست جو کچھ کام آئے اس مصیبت میں
یہی کہتا تھا ہر دم با دلِ مضطر کہ لے دے اور / نہ پھولیگا کوئی گل کیا کبھی اس نخلِ حسرت میں
لحد میں ہو گیا جو دفن ساتھ اپنے دفینے کے / الٰہی کیا یہ دولت تھی اُسی قارون کی قسمت میں
جوانی میں ملے دولت تو لطفِ زندگانی ہو / جواب دیتا نہیں یارب تو کیا دیگا قیامت میں
تحکم کیا اُٹھائے جاہ کا جو شخص خوگر ہو / غضب ہے اس پہ عسرت دیکھا ہو جو کہ عشرت میں

خیالِ خام نے اُس کو کیا آشفتہ سر ایسا — کہ مجنوں ہو رہا تھا اُلفتِ لیلیٰ دولت میں

اِسی اُلجھن میں آخر آنکھ اسکی لگ گئی دم بھر — تو کیا دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے خوابِ غفلت میں

کہ "اے تاجر عبث گردابِ کلفت میں ہے غوطہ کھا — سرِ بالیں ہے آب اور تو پڑا ہے بحرِ حیرت میں

اِسی تیرے مکاں کی زیرِ دیوار۔ اک دفینہ ہے — کہ جس سے گنجِ قاروں بھی نہیں ہمسر ہے کثرت میں

اُٹھ اور کھُدوا زمیں۔ قبضہ کر اپنا اُس خزانے پر — نہ آئے گردِ نکبت اب تری ایوانِ راحت میں

ہوا جب وُہ حریص اس خواب سے بیدار تو فوراً — دکھا دی پُختگی اُس خام نے اپنے ارادت میں

غرض کھُدوائی ہر دیوار کی بُنیاد تک اُس نے — مقدّر نے دکھایا قصرِ پستی حرصِ رفعت میں

اُٹھایا فائدہ آخر ہوس کا یہ کہ کھُد کھُد کر — وُہ گھر بھی گر پڑا سب جو بنا تھا ایک مدّت میں

ہوائے زر میں ایسا ہو گیا تھا آپ سے باہر — کہ گھر بھی کھو دیا آفت بپا کی اور آفت میں

لگا وہ بوالہوس سر پیٹ کر آہ و بُکا کرنے — صدائے غیب آئی ناگہاں اسکی سماعت میں

کہ اے غافل تکاہل چھوڑ دے محنت مشقّت کر — پس اندازی کو تھوڑی راہ دے اپنی طبیعت میں

اگر دولت کی حسرت ہے تو اسکی قدر لازم ہے
کلامِ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ لِلْمُسْرِفْ ہے آیت میں

یادِ حبیب

یہ چند اشعار اُس کی یاد میں ہیں جس کو طبیعت ڈھونڈھتی ہے اور نہیں پاتی۔ جسکا شیوہ محبت تھا اور جس کے لئے دوستی ایک ایسا ہی قدرتی اور طبعی جوشش تھا۔ جیسا بلبل کے لئے سرود۔ وُہ جس کا سینہ کینے سے نا آشنا تھا اور جس کی پیشانی چین سے بیگانہ تھی۔ وُہ ایک غنچہ تھا جو

مسکراتے مسکراتے مرجھا گیا۔ کوثری ! تو چلا گیا لیکن نہیں گیا۔ کیونکہ تیری سریلی آواز میرے کانوں میں ہے۔ تیری پیاری صورت میری آنکھوں میں ہے اور تو خود میرے دل میں ہے۔ (قیصری)

یادِ حبیب مے ہے میں رندِ خراب ہوں
کیا بے نیازِ محفل و جام و شراب ہوں

رکھتا ہوں سینہ حرفِ الم سے بھرا ہوا
ہر چند میں خموش مثالِ کتاب ہوں

کہتی ہے اُسکی نیند سے یہ میری بیخودی
تو ہے مرا جواب میں تیرا جواب ہوں

کرتا کمی نہ بہرِ خدا اے فراقِ یار!
جب تک نہ جل کے آتشِ غم سے کباب ہوں

لذت ملی وہ گریۂ شب میں کہ ہے دعا
سر تا بپا میں آنکھ مثالِ حباب ہوں

اللہ رے فیضِ عشق کہ خاکِ حبیب کا
ہر ذرہ کہہ رہا ہے کہ میں آفتاب ہوں

چھوڑا ہے جب سے اُس نے وہ صورت نہیں رہی
میں اُس کی آنکھ ہو گیا یعنی خراب ہوں

یہ کہکے آج اُٹھ گئی دنیا سے دوستی
جب کوثری نہیں ہے تو میں کیوں خراب ہوں

اُف رے جنوں! کہ ہمسخنی کا خیال ہے
مثلِ فریب خوردۂ بحرِ سراب ہوں

ہاں لب کشا کہ بادِ نثارِ تو قیصری
شد از غمت چراغِ مزارِ تو قیصری

عبدالرحمٰن نجیبی

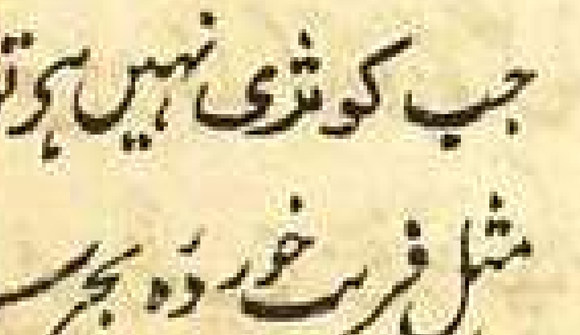

مگس

کیوں کفِ افسوس ملتی دمبدم ہے اے مگس
نعمتِ الوانِ دنیا پر نہیں کیا دسترس

غم نہ کھا محرومیِ عیشِ جہاں کا زینہار
ہے بظاہر تو یہ امرت اور بباطن زہر مار

لذتِ دنیا کا چسکا اسقدر اچھا نہیں
کچھ خبر تجھ کو مآلِ کار کی اصلاً نہیں

بارہا چکھا مگر دیکھی نہیں ایذا کبھی
اِس لئے تو ذائقہ پر دیتی ہے تسکّر کے جی

یاد رکھ لذّت پسندی کی یہ لت اچھی نہیں
اَور بھی چیزیں ہیں میٹھی ایک شکّر ہی نہیں

لذّتِ دُنیا میں دیکھا اچھا نہیں یہ انہماک
اَے مگس ہونا پڑے گا ایک دن تجھ کو ہلاک

نیش کچھ ایسے بھی ہیں یاں جو بشکلِ نوش ہیں
اَے مگس ہموار راہوں میں چہ خس پوش ہیں

کھینچ لیجائے گا ذوقِ قند اک دن تا عسل
کیا ہوا گر بچ گئی تو آج پھنس جائیگی کل

شہد خالص آبجیواں بھی اگر ہو فی المثل
ڈوبنے والے کے حق میں ہی وُہ تلخابِ اجل

لُطف کے کُشتے کو کچھ حاجت نہیں ہے قہر کی
گُڑ سے جو مر جائے اسکو کیا ضرورت زہر کی

ہو گئی اَے بوالہوس آخر اسیرِ دامِ حرص
اب کفِ افسوس مل دیکھ اے مگس انجامِ حرص

جانِ شیریں کے عوض پایا ہی تو نے شہد آہ
خوب اب جی بھر کے پی لے انہیں ہر گز گناہ

لے ٹھکانے لگ گئی ہاں آگیا کیا جی کو کل
اَے مگس اب تا دمِ آخر ہے تو اور ہے عسل

رشتہ طولِ امل خود بنگیا زنجیرِ پا
لذّتِ عیشِ جہاں کی بس یہی ہے انتہا

اب کفِ افسوس ملنا اور رگڑنا ایڑیاں
بعدِ قطعِ رشتہ جاں یہ کٹینگی بیڑیاں

دیدنی ہے ہمتِ پروانہ آذر پرست
کر گئی ہے عرصہ ہستی کو جسکی ایک جست

واہ اس ننھی سی جاں میں کتنی ہی تاب و تواں
طُور شعلہ پر چڑھا پروانہ آتش بجاں

جل کے سوزِ عشق سے دم بھر میں ٹھنڈا ہو گیا
اس کی خاکستر ہے یا گلزار ابراہیم کا

شاطر

دُوریِ منزل

دُوریِ منزل سے گھبرایا ہوا جاتا ہوں میں
چھوڑ کر دل ہر قدم پر بیٹھتا جاتا ہوں میں

کس بلا کی ہو رہی ہے دامنِ دل پر کشش — جانبِ کوہِ ندا گویا کھنچا جاتا ہوں میں
ہے مہارِ ناقہ دستِ ساربانِ شوق میں — جس طرف لیجائے ہے مجھ کو چلا جاتا ہوں میں
منزلِ مقصود کی راہوں سے ہوں ناآشنا — جس طرف سے آتی ہے بانگِ درا جاتا ہوں میں
کارواں سالار کے دامن پہ ہے میری نظر — گرچہ پس پس کر غبارِ رہ ہوا جاتا ہوں میں
سرزمینِ آرزو مُردہ ہے وُہ ابرِ کرم — تا درِ آرام گاہِ مصطفٰے جاتا ہوں میں
چھوڑ کر ظلمات کو شرمندۂ تردامنی — جانبِ سرچشمۂ آبِ بقا جاتا ہوں میں
کشتیِ عُمرِ رواں ہے اور مَیں بے اختیار — موجِ دریا کے اشارے پر بہا جاتا ہوں میں
ہے سکوں راہِ ترقی میں تنزّل کی دلیل — وادیِ کوشش میں اُٹھتا بیٹھتا جاتا ہوں میں
چاٹ تو اچھی تھی پر چھپ چھپ کے پینا تھا حرام — اِس لئے اب میکدے کو برملا جاتا ہوں میں
صُوفیِ صافی ہوں دُرد و صاف سے مجھ کو غرض — دستِ ساقی سے ملے جو کچھ۔ اُڑا جاتا ہوں میں
مُرغِ دانا کی طرح پیرِ خرد کے دام سے — کیا نکل جانے کی راہیں صاف پا جاتا ہوں میں
عُمرِ دو روزہ پہ اتنا ہاؤ ہو و گیر و دار — خاکِ صحرا میں بگولا سا اُڑا جاتا ہوں میں
اے سوارانِ رہِ کوئے طریقت المدد — تھک کے آخر دشتِ غربت میں رہا جاتا ہوں میں

قُلزمِ ہستی میں ہر صادق بپا طوفانِ نوح
ناخُدا کو چھوڑ کر سُوئے خدا جاتا ہوں میں

محبّت کے دریا کی لہریں

نسیم! تیرا تو ہوتا ہے ہر جگہ پھیرا — زمانے بھر میں نہیں ہے کہاں گذر تیرا

مرے خیال کی گلیوں میں اب کے جائیے اگر
تو میرے دوست ہے کہنا کہ او ستودہ سیر

کوئی فراق کے صدموں سے زار و مضطر ہے
کسی کا حال جُدائی میں تیری ابتر ہے

ملے تو چین ملے کس طرح جُدائی میں
کہیں قرار کی صورت نہیں خدائی میں

ہنسی خوشی وُہ محبّت بھری مُلاقاتیں
وُہ لُطف خیز مشاغل وہ پیار کی باتیں

وُہ تیرا دستِ حمائل جو یاد آتا ہے
مرے کلیجے پہ اک سانپ لوٹ جاتا ہے

نہیں نہیں نہ کہوں گا کہ وُہ دمِ رخصت
ہُوئی ہے دونوں طرف ہائے کیا بُری حالت

اُدھر سکوت کہ اب دیکھئے بنیگی کیا؟
اِدھر یہ فکر کہ بس کام ہو گیا اپنا

اُدھر اُٹھائے سے اُٹھتے نہیں تھے سر آنکھیں
اِدھر جواب میں تھیں آنسوؤں سے تر آنکھیں

ق

وُہ تیرا کہنا یہ جاتے ہُوئے ملا کے ہاتھ
سوار ہونے کی جلدی میں اضطراب کے ساتھ

چلے ہم آپ سے رخصت ہُوئے۔ خدا حافظ
ملینگے پھر بھی جو جیتے رہے۔ خدا حافظ

اُدھر جہاز چلا۔ اس طرف ہلے رومال
تڑپ کے پہلو میں دل نے کہا بنال بنال

دُھواں سا اُٹھنے لگا دل سے آہ آہ کے ساتھ
یہ چاہتا تھا چلوں اُڑ کے خود نگاہ کے ساتھ

عجیب درد تھا کچھ میری آہ و زاری میں
قرار تھا کسی پہلو نہ بیقراری میں

اُٹھا دیا مری شورش نے آنکھ ملتوں کو
پکڑ لیا مرے نالوں نے راہ چلتوں کو

جہاں کھڑا تھا وہیں رہ گیا کہاں جاتا
کہ وار پار نہ تھا میرے غم کے دریا کا

مائلؔ (دہلوی)

مُفلسی

مفلسی کی زندگانی کچھ نہیں !　　اِس کی طفلی اور جوانی کچھ نہیں !
وُہ بھی جینا ہے کہ جس میں مر مٹیں　　ٹھوکریں کھائیں پھریں در در پٹیں !
بے زری کیا اِک وبالِ جان ہے　　دشمنِ دیں دشمنِ ایمان ہے
سینکڑوں عیب اِک تہیدستی میں ہیں　　ذِلّتیں لاکھ اس کی اِک پستی میں ہیں
مفلسی میں عزّت و وقعت کہاں ؟　　فاقہ مستی میں بھلا راحت کہاں ؟
یہ مٹاتی ہے شرافت کا نشاں !　　ہے وجاہت کی اُڑاتی دھجّیاں !
"پیٹ سے فاقہ طبیعت خوش" غلط　　مُنہہ سے کہنے کی ہیں یہ باتیں فقط
تنگ رہتا ہو جو مایحتاج سے　　پُوچھو حالِ زیست اُس محتاج سے
فکرِ دُنیا اور خیالِ دیں رکھے ؟　　خوفِ دوزخ شوقِ علیّین کسے ؟
طاعت و زُہد و عبادت ۔ اِتّقا　　۱　　غیرت و شرم و حمیّت اور حیا
اِتّفاق ۔ ایثار ۔ ہمّت ۔ ہوش ۔ عقل　　۲　　اعتقاد ۔ ایمان ۔ استقلال ۔ عدل
دِل لگی ۔ شوخی ۔ شرارت ۔ ولولے　　۳　　فارغ البالی کے ہیں یہ سب چوچلے
جو مصیبت میں ہو اپنی مُبتلا　　دوسروں کی وہ کرے گا فکر کیا
ہو نہ جس عاجز کو کھانا تک نصیب　　۱　　رنج سہتے جو گیا ہو تھک غریب
فکر جس کو پیٹ کی ہر دم رہے　　۲　　بھُوک کے صدمے جو بیش و کم سہے
اُس کو کیا ؟ دُنیا ترقی گر کرے　　۳　　اُس کو کیا ؟ گر قوم فاقوں سے مرے

صورتِ مفلس سراپا انتشار — ذاتِ مفلس محض ہیچ و بے وقار!
قلبِ مفلس - مخزنِ صد آرزو — چشمِ مفلس صرفِ بے حد جستجو
ہستیِ مفلس عبث - بے سود - حشو — قولِ مفلس - بے اثر - بے وزن - لغو
کوئی کل - اسکی غرض سیدھی نہیں — بات مفلس کی کوئی اچھی نہیں

مفلسی! تو نے ڈبویا قوم کو! — تنگدستی! تو نے کھویا قوم کو!!

علمدار حسین

تازہ غزلیں

"یاد آتا ہے"

کبھی وہ جان کا دشمن وہ قاتل یاد آتا ہے — کبھی پہلوئے خالی دیکھ کر دل یاد آتا ہے
چلے جاتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے ہم دشتِ غربت میں — وطن اپنا ہمیں منزل بمنزل یاد آتا ہے
پھنسے اک اُن سے اُلفت کر کے ہم دو ہری مصیبت میں — اِدھر وہ یاد آتے ہیں۔ اُدھر دل یاد آتا ہے
رہا پہلو میں جب تک۔ ہم اُسے سمجھا کئے دشمن — گنوا بیٹھے ہیں تو کمبخت اب دل یاد آتا ہے!
گذرتا ہے نظر سے جب کوئی پھولا پھلا گلشن — تو پھر دل ہم کو اپنا رنگِ محفل یاد آتا ہے
مزے کی نیند گو آتی ہے آغازِ جوانی میں — مگر انجام میں یہ وقت غافل یاد آتا ہے
کبھی جس دل کو ظالم دمبدم تو یاد آتا تھا — اب اپنا ہم کو وہ آیا ہوا دل یاد آتا ہے!
ہماری بیگناہی پوچھتی رہتی ہے قاتل سے — کبھی تم کو کوئی ناکام بسمل یاد آتا ہے؟

بُرا ہوتا ہے صدمہ ہمنشیں کے ہجر کا اے آہ
کلیجہ کوئی مل دیتا ہے جب دل یاد آتا ہے

ابوالنصر - آہ (از بغداد)

آتشِ عشق کا بُجھکر بھی دُھواں باقی ہے
خاک ہوکر بھی وُہی سوزِ نہاں باقی ہے

نہ چمن ہے نہ گلستاں کا نشاں باقی ہے
پھر یہ کیا دیدۂ بُلبل میں سماں باقی ہے؟

لُٹ گیا قافلہ شوق و متاعِ اُمید
رُوح میں کش مکشِ سُود و زیاں باقی ہے

سرِ محمُود کے کاسہ میں بھری خاکِ لحد
حرصِ سُلطانی و چشمِ نگراں باقی ہے

ہے دمِ خوابِ سحر وقتِ غنیمت اَے دل
کہ ابھی فرصتِ گلگشتِ جہاں باقی ہے

بڑھ گئی ۔ ہونے سے کم ۔ قیمتِ مالِ مُسرف
بس غنیمت ہے کوئی دم جو یہاں باقی ہے

خوفِ رسوائی نہیں کوئے نظر بازی میں
جب تلک دیدۂ صاحب نظراں باقی ہے

جب سے دیکھا تجھے اَے بحرِ کرم ۔ نکل جناب
اپنی ہستی کا ہمیں وہم و گماں باقی ہے

اَے دلِ خام نہیں شرطِ فقیری کچکول
رنج کالا نہ سہی ۔ پرغمِ ناں باقی ہے

ہے دمِ بادِ بہاری سے لرزتی بلبل
چمنستاں میں ابھی رنگِ خزاں باقی ہے

سرِ تسلیم ہے تسلیم رضامندیٔ دوست
فکرِ دوزخ نہ تمنّائے جناں باقی ہے

اپنے نالوں کو بھی ترسے گی کبھی تو بُلبل
اب چہک لے کہ ترے منہ میں زباں باقی ہے

ورقِ سادہ یہ ہے گوہرِ مضموں یاقوت
خط میں رنگِ دلِ خوننابہ فشاں باقی ہے

بزمِ یاراں میں شگفتہ ہے معانی کی بہار
جب تلک ناظرِ اعجازِ بیاں باقی ہے

مرکے بھی ہے سرِ صادق میں ہوائے کشمیر
ہوسِ خاکِ رہِ پیرِ مُغاں باقی ہے

منتظمین مخزن نے

ارادہ کیا ہے کہ مخزن کی گذشتہ نو جلدوں میں سے جنکی توصیف میں ملکی اخبارات
کے صفحات بھرے پڑے ہیں تمام قابلِ قدر نثر کے مضامین کا عطر نکالکر اور حصہ نظم سے چیدہ
کی برجستہ و دلنشین نظمیں اور اشعار وغیرہ لیکر قریباً دو ڈھائی سو صفحے کی **ایک کتاب** معہ تصاویر
سربرآوردہ ارکین انجمن ترقی اردو مثل جناب شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی۔
ملک الشعرا مولوی حالی۔ مولینا شبلی۔ نواب محسن الملک بہادر۔ نواب وقار الملک
مسٹر آرنلڈ صاحب نہایت عمدہ اہتمام سے نفیس کاغذ پر اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی سے تیار کیجائے
اس کتاب کی **قیمت** عوام سے عہ لیجائیگی لیکن ہر نئے خریدار کو یہ
کتاب علاوہ محصولڈاک صرف ۸ر میں دیجائیگی۔

مخزن کے قدیمی معاونین کے لیئے بھی یہ کتاب بجائے خود اپنی دلچسپی میں کسی طرح کم نہ
ہوگی اور علاوہ ازیں جنکے پاس فائل مکمل نہیں اُن کے لیئے فائل کا کام دیسکیگی۔ یہ کتاب
اُنکی خدمت میں بلا قیمت نذر ہوگی۔ **بشرطیکہ** وہ ایک نیا خریدار عنایت فرمائیں۔
جن اصحاب کو صرف کتاب کی ضرورت ہو عہ علاوہ محصولڈاک بھیجکر دفتر مخزن سے منگوالیں

نوٹ: اس عایت سے مستفید صرف وہی لوگ ہو سکیں گے جنکی فرمائشیں اس دفتر میں یکم اپریل سنہ ۱۹۰۶
تک پہنچ جائینگی اور اس اشتہار کا حوالہ دینگے۔ مخزن اُن کے نام جنوری سنہ ۱۹۰۶ع سے جاری ہو جائیگا۔
اور چندہ کے ساتھ کتاب کی قیمت بھی وصول کرلیجائیگی۔ تاکہ انکو دو بار منی آرڈر کی فیس نہ دینی
پڑے۔ کتاب جو ابھی زیرِ طبع ہے۔ ایک مہینہ تک تیار ہو کر انکی خدمت میں پہنچ جائیگی۔

مینیجر مخزن لاہور

فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی (دواسازان ڈیٹرائٹ ملک امریکہ) کی مشہور عالم ادویہ

اسٹرنس وائن آف کاڈلور آئل

مچھلی کے تیل کا نہایت نفیس جوہر معہ کشتہ فولاد۔ پاکیزہ بلا بو۔ اور بطاقش مرکب کھانسی اور کمزوری کا بہتر علاج۔ عہ و ۱۲ آسہ ۱۲ ار

اسٹرنس ہیڈ ایک کیور

ہر قسم کے درد سر کے واسطے بلا ضرر۔ زود اثر اور یقینی فایدہ رساں دوا نقلی مت خریدو صرف اسٹرنس کی اصلی ہے۔ ۱۲ قرص ۱ار

اسٹرنس تھیلا بڈس

کیسی ہی سنگی کی بیماری ہو۔ اس کے استعمال سے دور ہو جاتی ہے بہترین اور بیکل کامیاب ہوئی۔ ۴۰ گولیوں کی شیشی قیمت عہ

اسٹرنس کولا

مقوی دماغ و اعصاب دماغی سستی و کاہلی و تکان صرف تازہ و بغیر خشک کی ہوئی گریبی سے تیار کیا جاتا ہے۔ خوشبودار و خوشگوار۔ ۵ خوراک فی ۳ بہ

اسٹرنس پنزائمیس

غذا ہضم کرنیکے لیے بہترین دوا نہایت سستی۔ زود اثر۔ کامل طور سے آلات ہضم کو درست کرتی ہے۔ فی شیشی عہ

اسٹرنس کف کیور

کھانسی کو چند گھنٹوں میں آرام کرتا ہے افیون اور مضر اجزا سے پاک ہے۔ خریدنے کے وقت لفظ ہو جیئے کہ اسٹرنس کی ہے فی بوتل ۱۲

رسالہ رفیق مریضان جس میں ان اور دیگر ادویہ تیار کردہ کارخانہ فریڈرک اسٹرنس اینڈ کمپنی ڈیٹرائٹ ملک امریکہ کے مشرح حالات ہیں۔ سٹرنس اینڈ ورماٹیزنگ ڈپو کشمیری دروازہ دہلی سے مفت اور بلا محصول طلب کرو۔

ہر شہر کے تمام انگریزی اشیا کے دوکاندار فروخت کرتے ہیں

عرق ماءاللحم انگوری

اور

درازیٔ عمر

یہ امر تازہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ دو بزرگ ہم عمر عہدہ دار جو اتفاق حسنہ سے ایک ہی ضلع مین متقرر تھے ایک ہی مرض مین مبتلا تھے۔ ضعف دماغ اور تاریکی چشم - سر کا گھومنا چکرانا۔ تھوڑی کام سے جی چرانا جس روز دو چار گھنٹہ بیٹھ کر کام کرنا پڑے سر درد ہو جانا - بھوک کا بند ہو جانا - ہاتھ پاؤن کا ٹوٹنے لگنا اور کبھی گھر مین تخلیہ کا موقع ملے تو صبح کو کوفت اعضا شکنی معلوم ہونا - چارپائی سے اُٹھنے کو دل نہ چاہنا - ایک صاحب نے عرق ماءاللحم کا استعمال شروع کیا اور دوسرے صاحب اور مختلف معالجہ ڈاکٹرون حکیمون کا کرتے رہے چند دنون بعد عرق پینے والے کا رنگ روسرخ ہو گیا اور زردی چہرہ دور ہو کر گال جو جھکے ہوئے تھے پُر ہو کر رنگ چمکنے لگا تو دوسرے مختلف ادویہ کے کھانے والے کے دوست نے بڑے تعجب سے پوچھا - یار کیا بات ہے تم تو چار بجے کے بعد چھ سات بجے تک کچہری مین کام کرتے رہتے ہو - صبح دم دیکھو سویرے ہی اُٹھ کر پھر ہوا خوری کے لئے تیار - یہ ماجرا کیا ہے - اُس نے کہا بات یہ ہے کہ مین **عرق ماءاللحم انگوری دوآتشہ** ساختہ حکیم غلام نبی [illegible] پیا کرتا ہون چنانچہ وہ سُن کر نہ رہ سکے جھٹ تار دیا - عرق بھیجدو -

اب اس ڈپٹی کلکٹر کا سارٹیفکٹ ملاحظہ کیجئے جس نے سول سرجنون اور معزز دوسرے حکمار کا علاج کیا اور ناکامیاب رہا - دیکھئے وہ کیا کہتا ہے - آدھ آنہ کا ٹکٹ بھیجدیجئے - سارٹیفکٹ صحت یافتہ اصحاب کے بھیجدونگا - **قیمت** فی بوتل ۲ تین بوتل سے چھ بوتل ۱ فی درجن ۲۰ بذریعہ ریل منگانے مین محصول کی کفایت ہوگی ریلوے سٹیشن بمعہ لائن صاف لکھیں ورنہ بذریعہ ڈاک منگوانے مین علاوہ محصول ڈاک پیشگی آنا ضروری ہے -

پتہ: حکیم ڈاکٹر غلام نبی زبدۃ الحکمار لاہور موچی دروازہ (اعوان منزل)

خوشخبری

ممیرے کا سُرمہ

پانچ ہزار روپیہ انعام

مصدقہ جناب اسسٹنٹ کیمیکل اگزامینر صاحب بہادر گورنمنٹ پنجاب

معزز انگریزوں میڈیکل کالج کے پروفیسروں نامور ڈاکٹروں والیانِ ریاست اور ولایت کی یونیورسٹی کے سند یافتہ یورپین ڈاکٹروں نے بعد تجربہ اس سرمہ کی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ سرمہ امراض ذیل کیلئے اکسیر ہے ضعف بصارت تاریکی چشم دُھند جالا پروال غبار سُبل سرخی پھولا ابتدائی موتیا بند - پانی بہنا خارش وغیرہ معزز ڈاکٹر اور حکیم بجائے اور ادویہ آنکھ کے مریضوں پر اب اس سرمہ کا استعمال کرتے ہیں چند روز کے استعمال سے بینائی بہت بڑھ جاتی ہے اور عینک کے استعمال کرنیکی حاجت نہیں رہتی۔ بچے سے لیکر بوڑھے تک کو یہ سرمہ یکساں مفید ہے قیمت بہت کم رکھی ہے کہ عام و خاص اس سرمے کا فائدہ اٹھا سکیں قیمت فی تولہ جو سال بھر کیلئے کافی ہے مبلغ دو روپیہ ممیرے کا سرمہ سفید اعلےٰ قسم فی تولہ مبلغ تین روپیہ - خالص ممیرہ فی ماشہ عہ۲ مصری سرمہ فی تولہ ۴ر خرچ ڈاک بذمہ خریدار -

المشتہر:- پروفیسر میاں سنگھ اہلووالیہ مقام بٹالہ ضلع گورداسپور

ان سے بڑھ کر اور کیا معتبر شہادت ہو سکتی ہے

(۱) میں نے ممیرے کا سرمہ سردار میاں سنگھ اہلووالیہ تیار کیا ہوا ان مریضوں پر کہ جنکی آنکھیں بہت کمزور اور بیمار تھیں استعمال کر کے دیکھا مفید پایا میری رائے میں خاص کر ان لوگوں کو جنکی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہے اور دھند غبار کمزوری نظر ہو یہ سرمہ نہایت ہی مفید ہے۔

راقم

ڈاکٹر ... بہادر ایل ایم ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور و آنریری سرجن جنرل ہند

(۲) میں اس امر کی بڑی خوشی سے تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے ممیرے کا سرمہ جو کہ سردار میاں سنگھ اہلووالیہ نے تیار کیا ہے اپنے زیر علاج کئی ایک قسم کے مریضوں پر استعمال کیا میری رائے میں بینائی قائم رکھنے اور آنکھوں کی بیماریوں سے بچنے کے لئے ممیرے کے سرمہ کا استعمال بہت مفید ہے +

راقم

خان بہادر ڈاکٹر سید میر شاہ ایل ایس اسسٹنٹ سرجن پروفیسر میڈیکل کالج لاہور۔

پانچ ہزار روپیہ انعام - اگر کوئی شخص ممیرے کے سرمہ کی سند میں سے جو کہ قریب بیس ہزار کے ہیں ایک کو بھی فرضی ثابت کرے تو اسکو مبلغ پانچ ہزار روپیہ کا انعام دیا جاویگا جو لاہور کے پنجاب بنک میں اسی مطلب کیلئے تاریخ ... سے جمع کیا

وکیل اور زمیندار کا قصّہ

کسی گاؤں میں ایک سادہ لوح و غریب زمیندار برنارڈ نامی رہا کرتا تھا۔ ایک دن اس کو شہر جانے کا اتفاق ہوا جہاں وہ ایک مشہور وکیل سے ملا اور پوچھا کہ مال دار بننے کی کوئی راہ بتلا دیں۔ وکیل نے اپنی فیس لے کر ایک بند لفافہ برنارڈ کے حوالہ کیا۔ گھر میں آکر شام کے وقت زمیندار نے لفافہ کھولا۔ تو لکھا تھا:-

جو کام آج کر سکتے ہو اُس کو کل پر مت ڈالو

زمیندار کا ہزاروں من چارہ باہر کھیت میں پڑا تھا۔ فوراً اُس کو گھر لاکر مکان کے اندر رکھوا دیا۔ رات کو طوفان آیا اور بارش موسلادھار ہوئی۔ جن لوگوں کا چارہ باہر تھا۔ سب بہ گیا۔ اگلے سارے گاؤں میں صرف برنارڈ ہی بشاش تھا۔ طاعون کا طوفان بارش کے طوفان سے بدرجہا خوفناک ہے۔ جو لوگ برنارڈ کی طرح خوش و خرم و بے فکر رہنا چاہتے ہوں ان کو طاعون کی دوا ہر وقت گھر میں رکھنی چاہیئے ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی مریض نے ہماری دوا کا استعمال کیا ہو اور وہ راضی نہ ہوا ہو۔ یا کسی تندرست آدمی نے اس کا تھوڑا سا استعمال کیا ہو اور وہ طاعون کا شکار ہوا ہو۔

(۱) دوائی طاعون ہزاروں جانیں بچا چکی ہے۔ قیمت دو روپے فی شیشی

(۲) خضاب۔ مثل تیل چنبیلی کے لگایا جاتا ہے۔ سفید بالوں کو سیاہ بھنور کر کے اصلی رنگت دیتا ہے۔ بالوں کو ریشم جیسے نرم رکھتا ہے جلد پر داغ نہیں دیتا۔ قیمت دو روپے (عہ) فی شیشی

(۳) روغن گویان۔ ان کے استعمال سے بال ہمیشہ سیاہ رہتے ہیں۔ اگر سفید ہو گئے ہوں تو بھی آہستہ آہستہ سیاہ ہو جاتے ہیں۔ قیمت دو روپے (عہ)

(۴) گلگونہ چہرے سے جھریاں۔ چھائیاں۔ سیاہ داغ وکیل دور کر دیتا ہے۔ خوبصورتی کے واسطے لازمی ہے۔ قیمت دو روپے (عہ)

(۵) دوائی بواسیر۔ بواسیر خونی ہو یا بادی سے اگر ہوں تو بلا تکلیف گم۔ شرطیہ شفا۔ قیمت دو روپے

(۶) روح النسار۔ عورتوں کی سب بیماریوں کے لئے اکسیر ہے۔ قیمت تین روپیہ (سے)

(۷) روغن کان۔ بہرے ہوں بہتے ہوں۔ درد۔ سان سان یا طرح طرح کی آوازیں آتی ہوں فوراً آرام ہوتا ہے قیمت (عہ)

(۸) سرمہ ممیرہ۔ دھند۔ غبار۔ لالی۔ پڑوال۔ جالا۔ ناخنہ کے واسطے اکسیر۔ موتیا بند کے واسطے مفید۔ امریکہ و جرمنی تک مشہور۔ قیمت فی تولہ دو روپے (عہ)

(۹) بال اُڑانے کا تیل۔ بلا تکلف ایک دو منٹ میں بال دور ہوں قیمت ۸ر فی شیشی (محصول ڈاک بذمہ خریدار ہے)

ملنے کا پتہ:- ڈاکٹر کیسر سنگھ ایم۔ اے بکرم ہسپتال فیروزپور شہر (پنجاب)

نے کا پتہ یہ ہے - ایس - اے - بی - بخشی - اینڈ کو - کوٹھی نمبر ۱۲۷ - ہالیڈے اسٹریٹ شہر کلکتہ

آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام	ریلوے ریگولیٹر تحفہ واچ نمبر ۶	ود دستو ال اٹھا دیا ہے

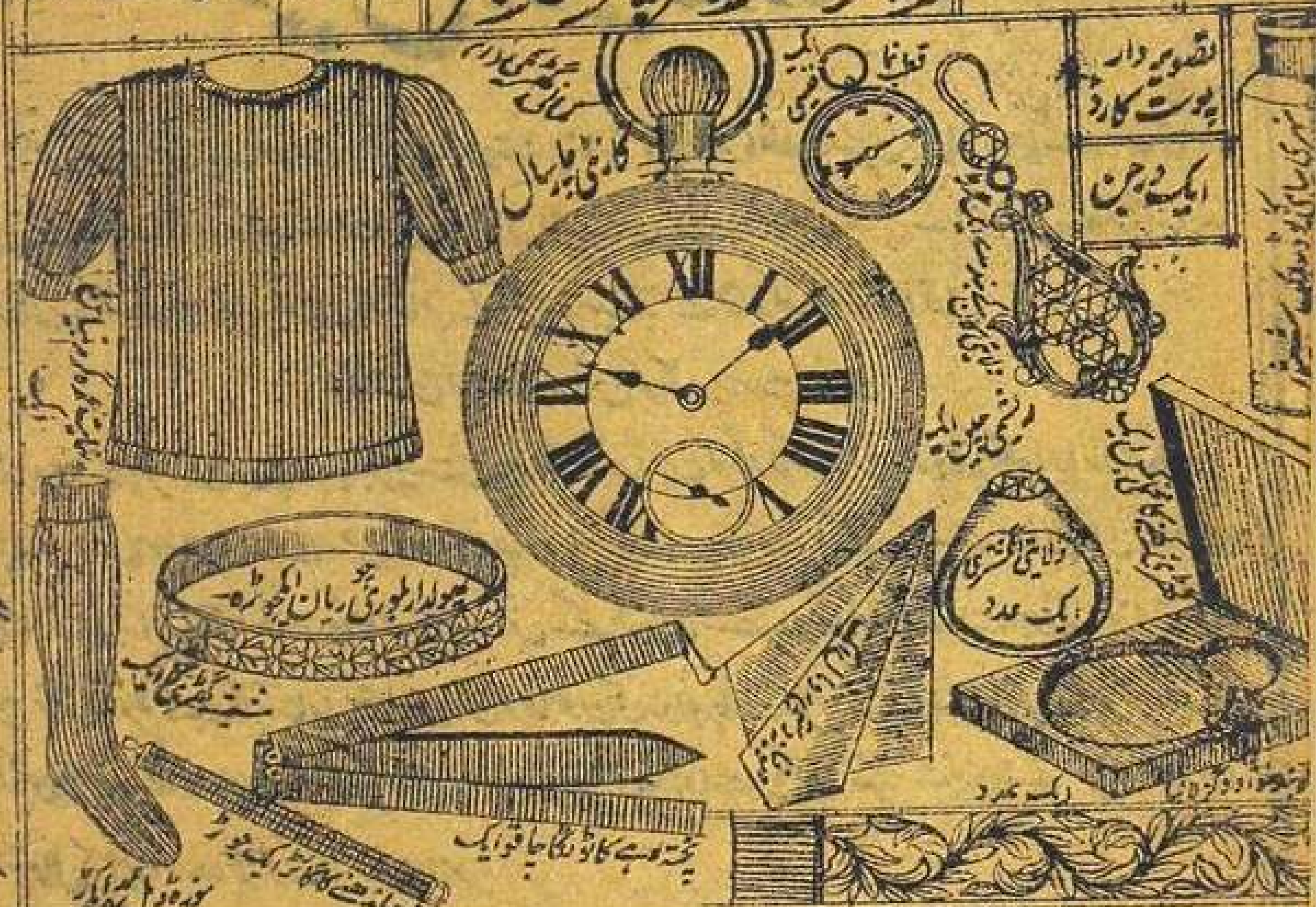

بخشی کمپنی کی تیرھوین سالگرہ کی خوشی مین آپکو شریک کرنے کی غرض سے مندرجہ بالا ریلوے ریگولیٹر تحفہ واچ نمبر ۶ معہ سولہ تحفہ اور تحفجات کے جو گھڑی کے ہمراہ بھی ہیں آپکو پانچ روپے چار آنے کو روانہ کیجاوے گی مگر ۲۸ فروری تک - اسکے بعد جس طرح ن کا دن گذر کر پھر نہ آویگا اسی طرح اس گھڑی کی فروخت بھی معہ سولہ تحفجات کے بند کردی جائے گی :-

ن گھڑی کے ہمراہ جو تحفجات دیے جاتے ہین اگر حساب لگایا جاوے تو قریب قریب تحفجات کی قیمت پانچ روپے چار آنے ہو جاوے ی کیلیے وہ مثل ہماری آتی ہو کہ آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام - گارنٹی چار سال کا دستخطی پرچہ ہمراہ روانہ ہوگا - موقعہ کو ضایع کرنا عقلمندی نہیں ہے - اور یہ تو آپکو معلوم ہے - گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں - ہمارا دعوی ہو کہ اسقدر قیمتی تحفجات مع گھڑی اس قیمت پر کوئی سوداگر نہین فروخت کرسکتا - یہ گھڑی ٹائم نہایت صحیح دیتی ہو اور ڈائل بھی اپنی کا ہو ٹ کے بعد بیجاتی ہو - اگر اس قیمت پر بھی ناپسند ہو تو ایک ہفتہ کے اندر واپس لیجاویگی - اب اور کیا اس سے زیادہ ہم کیا بیان کرسکتے ہین ہایت - چھے گھڑی کے خریدار کو ایک مفت ریگولیٹر واچ گارنٹی دو سال اور ایک درجن کے خریدار کو اسی قسم کی گھڑی مع سامان مفت ملیگی -

واہ کیا فرنگی لڑائی ہو

بچوں کا خوش کرنیوالا مقناطیسی

پیارے بچون کے خوش کرنیکے لیے یہ نئی قسم کا مقناطیسی
ہمارے یہان آے ہین جسمین خاص طور سے مقناطیسی
قوت دیگئی ہو اور جسکی وجہ سے جب یہ تو مقناطیس
تو اسکے ساتھ ہی ایک سانپ اور مچھلی کی لڑائی
قابل دید ہے ہوتی ہو جسکو دیکھکر بچے کیا بڑے آدمی
ہنس دیتے ہین اپنے پیارے بچونکو خوش کرنیکے لیے
یہ طلسمی کھلونا ضرور منگا دیجیے دو عدد کی قیمت بھی
کچھ نہین صرف دس آنے محصول دو دونکا چار آنے

ے سے منگائے - ایس - اے - بی - بخشی - اینڈ کو - کوٹھی نمبر ۱۲۷ - ہالیڈے اسٹریٹ کلکتہ

فرمایش لکھتے وقت جنتری کا حوالہ ضرور دیجیگا -

آئینۂ داغ

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستان میں دھوم ہماری زبان کی ہے

اس میں نہ صرف زمانہ حال کے ہر دلعزیز و مقبول عام شاعر اور زبان اُردو کے سب سے بڑے محسن مربی کے جزو کل حالات اور معرکۃ الآرا اشعار آپ کو ملیں گے۔ بلکہ ہر حصہ ملک کے ماتم داغ کا پورا مرقع آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ داغ مغفور کے چبھتے اور پھڑکتے ہوئے اشعار کے ساتھ دہلی کے مشاہیر شعراء مثل ذوق۔ غالب۔ مومن وغیرہ کا کلام بھی مختلف طبائع و اصناف سخن کا رنگ دکھانے کے لئے درج ہے۔ غدر سے پہلے قلعہ معلی کے مشاعروں میں حضرت داغ کی شرکت۔ ہز ہائینس نواب رامپور کی قدردانی۔ کلکتہ کا سفر۔ حیدرآباد دکن کا قیام۔ حضور نظام کی رتبہ افزائی غرض مرحوم کی زندگی کے ہر مرحلہ کی مفصل کیفیت نہایت دلچسپ پیرایہ میں قلمبند کی گئی ہے۔ یہ سوانح عمری جناب داغ مرحوم کے دوست اور معصر جناب میر نثار علی صاحب شہرت دہلوی نے مرتب فرمائی ہے۔ نہایت خوشخط مضبوط کاغذ پر مع تصاویر کے جو اعلیٰ فوٹوؤں سے لی گئی ہیں طبع ہوئی ہے قیمت صرف ۱۲/

المشتہر
محمد سراج الدین مالک و مہتمم
مفید کتب ایجنسی رنگ محل لاہور

ترکی ٹوپیاں

ہم نے اپنے احباب کی خاطر نہایت اعلیٰ قسم کی عمدہ اور نفیس ترکی ٹوپیاں جن کے پہننے کا شوق ہر ایک کو ہے منگائی ہیں جو مخمل کی طرح نہایت ملائم اور فیشن ایبل بنی ہوئی ہیں

ٹوپیوں کے ہمراہ سرپوش نایاب مفت بھیجا جاتا ہے

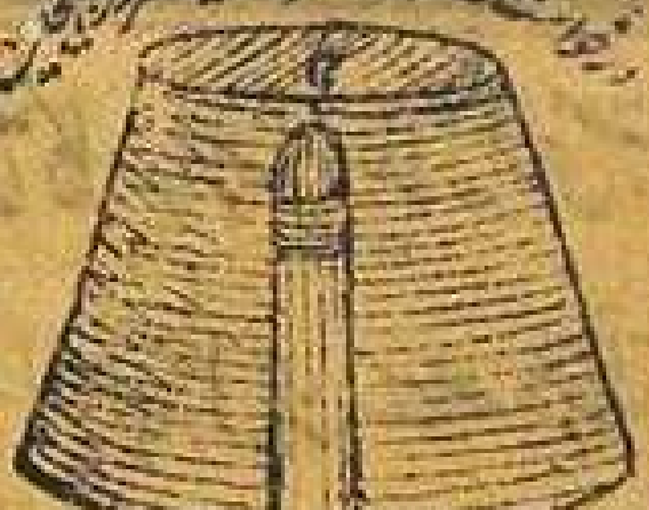

قیمت درجہ اول معہ پھندنہ تین روپے درجہ دوم معہ پھندنہ دو روپیہ آٹھ آنہ درجہ سوم معہ پھندنہ دو روپے درجہ چہارم معہ پھندنہ ایک روپیہ آٹھ آنہ

المشتہر
محمد سراج الدین مالک و مہتمم
مفید کتب ایجنسی رنگ محل لاہور

سچّا دوست

ایک پوسٹ کارڈ پر درخواست کرنے سے ایک پمفلٹ (کتاب) مُفت بھیجا جاتا ہے جس کے مطالعہ سے ایک ایسا نکتہ آپ کو معلوم ہوگا کہ جو زندگی میں بھی کارآمد ہو اور دمِ آخر موجب اطمینان ہو اور بعد از وفات بھی آپ کے وارثوں کو مالی فایدہ پہنچائے۔ مینیجر آرمی نیوز۔ لودیانہ سے درخواست کریں ÷

مینجر
آرمی نیوز۔ لودیانہ

علم الاقتصاد یا سیاست مدن

(مصنفہ شیخ محمد اقبال صاحب ایم-اے)

جسمیں علم الاقتصاد کے دقیق اصول کی توضیح کے ساتھ ساتھ مصنف نے ہندوستان کے موجودہ تمدنی اخلاقی اور اقتصادی حالات کیطرف لطیف اشارات کئے ہیں جن سے پڑھنے والے کی نظر وسیع ہوتی ہے اور اسکو مسایل اقتصادی پر آزادانہ طور پر غور و فکر کرنیکی تحریک ہوتی ہے منگا کر دیکھیے - (عہ کو مخزن ایجنسی لاہور سے ملتی ہے) محصولڈاک علاوہ ÷

اگر قوت نے آپکو کسی مصرف کا نہیں رکھا۔ تو ایک لائق تجربہ کار کا بنایا ہوا مرکب یعنی ڈاکٹر میجر ہیں ہاڈر و جیل الکسیر
اس مرض کو جڑ سے کھو دیتا ہے۔ کچھ پرواہ کی بات نہیں۔ خواہ مرض کیسا ہی شدید ہے۔ جونہی اس اعجاز نما
دوا کو ایک بار لگایا اور اس نے فوراً اکسیر جیسا اثر دکھایا وزن گھٹنا شروع ہوا قیمت فی بوتل عہ علاوہ محصول ڈاک

کمزور مضبوط ہو سکتے ہیں

یہ فقرہ خاصکر ان لوگوں کو مخاطب کر کے لکھا جاتا ہے۔ جو کمزوری کا ہر طرح سے
علاج کر چکے ہیں۔ یا جنہوں نے کوشش کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اگر ناظرین میں سے کسی نے
اپنے تئیں مایوس العلاج تصور کر لیا ہے تو سخت غلطی کی ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ
غلطی ہوگی کہ باوجود گذشتہ کوششوں کے ناکامیاب ہونے پر اب بھی انہی ادویہ مشتہرہ
کی طرف متوجہ ہیں۔ ان کا نتیجہ دیکھ چکے۔ آزما چکے۔ آزمودہ را آزمودن جہل است۔
ڈاکٹر میجر کی **وائٹیلین** کے استعمال سے زائل شدہ طاقت بحال ہوتی ہے۔ اس میں
ادویہ مناسب طور سے شامل کی گئی ہیں۔ ہمارے تجربہ میں کسی قسم کی بھی کمزوری ہو اس سے
دور ہو جاتی ہے۔ **رسالہ تحفہ میجر** کو پڑھو۔ تم خود قائل ہو جاؤ گے۔
قیمت فی بوتل (لعہ) علاوہ محصول ڈاک۔

تمام دنیا میں جس قدر ادویہ صفائی خون کیواسطے فروخت ہوتی ہیں ان سب سے ڈاکٹر میجر صاحب کا سارسا پریلا کی بکری بہت
زیادہ ہے۔ اس سارسا پریلا میں ایک نئی ترکیب سے بجلی کی حرارت آمیز کی گئی ہے۔ تمام قسم کے گھاؤ۔ زخم۔ امراض آتشک جن سے جلد بند ہو جاتی ہے
آتشک سے جسم پر ہونا داغ کنٹھ مالا۔ پھوڑے پھنسیاں پرانی گٹھیا اس کے استعمال سے جاتے رہتے ہیں۔ قیمت عہ فی بوتل۔

یہ ادویہ صرف کارخانہ مسٹر ڈبلیو میجر اینڈ کو کلکتہ میں تیار ہوتی ہیں۔ پھٹوک اور
خوردہ فروش ایجنٹ اے برکت اینڈ کو دہلی سے طلب کرو

ماء اللحم انگوری دو آتشہ

یہ ایک عطر مجموعہ ہے جو خالص انگور و گوشت طیور اور مقوی میوہ جات و مفرح اجزا سے احسن طریقہ پر کشید کیا جاتا ہے۔ ہر سال ہزاروں بوتلیں باہر جاتا ہے۔ یہ ماء اللحم ہم دوا ہم غذا ہے۔ اسقدر سریع الاستحالہ و زود اثر ہے کہ حلق سے اترتے ہی سیدھا خون میں شامل ہو جاتا ہے۔ اعضائے رئیسہ کے تمام افعال باقاعدہ بنا کر ان سے وہی کام لیتا ہے جو قدرت نے انکو تفویض فرمایا ہے۔ یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ زندگی کا مدار خون صالح پر موقوف ہے اور حکماً خون کو روح کہتے ہیں اور روح کی حفاظت سب سے ضروری ہے اس لئے ماء اللحم کا استعمال بدن کی پرورش کے لئے اکسیر کا کام دیتا ہے۔ جو لوگ موسم سرما میں اس کا استعمال کرینگے وہ تمام امراض سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ تمام کمزوریاں دور کر کے بدن میں چستی طبیعت میں بشاشت پیدا کرتا ہے۔ لاغر جسم کو فربہ بناتا ہے۔ دماغی طاقت بھرپور چہرہ پر نور ہوتا ہے۔ حافظہ کو وہ تیزی دیتا ہے کہ برسوں کی بھولی بسری باتیں یاد آجاتی ہیں۔ ذہن کی جلا کے واسطے بے نظیر مدد دیتا ہے۔ ضعیف کو توانا اور توانا کو مضبوط بنانے میں ایک اعلیٰ جوہر ہے۔ مالیخولیا۔ لقوہ۔ رعشہ۔ نسیان کو اڑا دیتا ہے۔ خون کی سمیت اور گندہ پن کو دور کر کے صاف خون پیدا کرتا ہے۔ نزلہ۔ زکام۔ کھانسی کا دشمن ہے۔ اشتہائے صادق پیدا کرتا ہے۔ الغرض ماء اللحم وہ جان پرور دوا ہے جو جسم کو کندن بنا کر بدن میں نئی روح پھونک دیتا ہے۔ مسمن مقوی درجہ اول ہے۔ باوجود ان اوصاف کے **قیمت فی بوتل للعہ**۔ رعایتی عہ ایک روپیہ۔

نوٹ: تین بوتل سے کم بیرونجات میں روانہ نہیں کیا جاویگا۔ اور طالبعلموں کو دو بوتل بھی روانہ ہو سکتا ہے۔ محصولڈاک وغیرہ بذمہ خریدار۔ ریلوے اسٹیشن کا مفصل پتہ تحریر کریں۔ قیمت بذریعہ منی آرڈر پیشگی وصول ہونی چاہیے ورنہ تعمیل ارشاد نہیں کی جاویگی۔

خادم الحکما محمد افضل اینڈ کو شفاخانہ آفتاب حکمت لاہور

ہندوستان میں بچوں کو

کمزور کر دینے والی آب وہوا کے باعث بہت تکلیف رہتی ہے۔ ابتدا
عمر میں انکو ایک ایسی مقوی چیز کی ضرورت ہے جو انکے نرم اعضا کو مضبوط
کر دے۔ چنانچہ سکاٹس ایملشن میں یہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔
اور اس کے استعمال سے بچے تمام عمر کے لئے تنومند بن جاتے ہیں۔

اس کا اثر

استعمال کے بعد فوراً ہی معلوم ہونے لگتا ہے۔

(تیار کرنے کے وقت ہاتھ اسکو نہیں چھوتے)

تمام انگریزی دوافروشوں سے مل جاتا ہے۔

سکوٹ برون مینوفکچرنگ کیمسٹ

(لنڈن)